چین

سرمایہ داری کی طرف لانگ مارچ

فریڈ ویسٹن

ترجمہ: ایس-این- شوریدہ

طبقاتی جدوجہد پبلیکیشنز

دنیا بھر کے محنت کشو ایک ہو جاؤ!

China
Long March Towards Capitalism
Fred Weston

’جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں‘

نام کتاب : چین--- سرمایہ داری کی طرف لانگ مارچ

مصنف : فریڈ ویسٹن

مترجم : ایس-این- شوریدہ

پہلا ایڈیشن : جون 2006ء

تعداد : 1100

ناشر : طبقاتی جدوجہد پبلیکیشنز 105 منگل مینشن رائل پارک لکشمی چوک لاہور

فون:042-6316214 فیکس:042-6365659

ای میل ایڈریس:pakistan@marxist.com

پرنٹرز : یاسر عمیر پرنٹرز لاہور

صفحات : 83

قیمت : 30 روپے

فہرست

پیش لفظ لال خان	4
سرمایہ داری کی طرف لانگ مارچ	9
ٹراٹسکی بیوروکریسی کے بارے میں کیا کہتا ہے؟	15
چین کی بیوروکریسی سبق سیکھتی ہے	24
ماؤ عہد کا خاتمہ	29
ڈینگ کا 1978ء کا موڑ	34
1992ء ''چینی خدوخال کے ساتھ سوشلسٹ منڈی کی معیشت''	41
قصبوں اور دیہاتوں کی صنعتیں (ٹی وی ایز)	48
چین میں سرمایہ داری کو مضبوط کرنے کیلئے ریاست کا استعمال	50
ڈبلیو ٹی او میں شمولیت کا عمل	53
سرد مہر تبدیلی؟	56
چین دنیا کی چوتھی بڑی طاقت	66
محنت کش طبقے کو طاقتور بنانے کا عمل	68
کمیونسٹ پارٹی کا قیام	72
چین اور امریکہ	78
انقلاب کی تیاری کا عمل	79

پیش لفظ

چین کی موجودہ صورتحال اور اس کے فوری اور دوررس تناظر کو دو وجوہات کی بنا پر سمجھنا بہت ضروری ہے۔ اول یہ کہ اس وقت چین کی ترقی کے بہت چرچے ہیں۔ ذرائع ابلاغ اور ان کے حواری چین میں سرمایہ داری کے 'معجزے' پر اتنا واویلا کر رہے ہیں کہ عام لوگ حیران متذبذب اور مضطرب ہو کر رہ گئے ہیں۔ چینی مصنوعات کی نہ صرف امریکہ بلکہ پاکستان اور دوسرے ترقی پذیر ممالک میں بھی بھرمار ہو رہی ہے۔ سوویت یونین کے ٹوٹنے اور دیوار برلن کے گرنے کے بعد چینی افسر شاہی کی سرمایہ داری کی جانب بڑھتی ہوئی اس روش نے بھی اس پراپیگنڈے کی یلغار کو بہت بڑا بندھن بہم پہنچایا ہے کہ سوشلزم اور کمیونزم ناکام ہو چکے ہیں اور سرمایہ دارانہ نظام ہی نسل انسان کا آخری مقدر ہے۔ اس کو سرمایہ دارانہ نظام کی ''کامیابی'' کا ایک اور جواز بنا کر بھی پیش کیا جا رہا ہے۔

دوسرا پہلو یہ ہے کہ پچھلے عرصے میں سوویت یونین کے ٹوٹنے کے بعد اپنے آپ کو کمیونسٹ کہنے والی درحقیقت سٹالنسٹ پارٹیوں کے لیڈروں اور مفکروں نے بھی سرمایہ داری کے ساتھ اپنی مصالحت اور سوشلسٹ انقلاب کے ساتھ اپنی غداری کیلئے چین کی ''مثال'' پر بہت تکیہ کیا ہے۔ اس سے انہوں نے اپنے ذہن اور ضمیر میں ابھرنے والے احساس جرم کو زائل کرنے کی بھی کوشش کی۔ اب بہت سی ''کمیونسٹ'' پارٹیاں اقتدار میں آ کر جب سرمایہ دارانہ نظام کو چلانے کی کوشش کرتی ہیں تو اس میں ناگزیر طور پر ان کو نجکاری' ڈاؤن سائزنگ' لبرلائزیشن اور مستقل ملازمتوں کی جگہ ٹھیکیداری نظام قائم کرنے کی پالیسیاں جاری کرنی پڑتی ہیں۔ اس سے عوام میں جو بیروزگاری' افلاس' بیماری' ناخواندگی اور ذلت جنم لیتی ہے اس سے ابھرنے والے

پارٹی کارکنان اور محنت کشوں کے دباؤ کو بھی زائل کرنے کیلئے یہ لیڈر پھر ''چین کی منڈی کے سوشلزم'' کو ایک نظریاتی جواز بنا کر اپنی ان مزدور دشمن پالیسیوں کا دفاع کرتے ہیں۔ ان میں سب سے اہم مثال ہندوستان کی کمیونسٹ پارٹیوں کی ہے۔ محنت کشوں نے ان کے نام پر ان کو ووٹ دے کر قوت بنایا لیکن ان پارٹیوں کی قیادت نے نہ صرف مرکز میں ایسی حکومت کو اپنی حمایت سے قائم رکھا ہوا ہے جو ان نیو لبرل معاشی پالیسیوں کو تیزی سے لاگو کر رہی ہے بلکہ ان صوبوں میں جہاں ان کی بھاری اکثریت اور حکومت ہے میں بھی انہی جارحانہ سرمایہ دارانہ پالیسیوں کو لاگو کیا جا رہا ہے۔ مغربی بنگال جہاں حالیہ انتخابات میں کمیونسٹ پارٹیوں نے 140 میں سے 115 نشستیں حاصل کیں اور جہاں پر 28 سال سے کمیونسٹ پارٹیوں کی حکومت ہے وہاں اب تیزی سے بیرونی سرمایہ کاری کیلئے صوبے کو پرکشش بنانے اور زیادہ سے زیادہ سامراجی اجارہ داریوں کی سرمایہ کاری حاصل کرنے کیلئے یہ کمیونسٹ حکومت ان ہی پالیسیوں کو جارحانہ انداز میں لاگو کر رہی ہے۔ اس سے نہ صرف بنگال کے محنت کشوں میں اشتعال بڑھ رہا ہے بلکہ سی پی آئی (ایم) اور سی پی آئی کے کارکنان میں بھی اضطراب اور ان پالیسیوں کے خلاف جھنجھلاہٹ بڑھ رہی ہے۔ لیکن پھر ان کو چین کی ''ترقی'' کی مثال دے کر چپ کروایا جا رہا ہے۔ یہ کوئی حادثہ نہیں ہے کہ ہندوستان کی کمیونسٹ پارٹیوں کے ممبران پارلیمنٹ کے سب سے زیادہ وفود چین جا رہے ہیں اور وہاں سے اس سوشلسٹ انحراف کیلئے بہت سے ''جواز'' اور ''نظریات'' سیکھ کر آ رہے ہیں۔ ان سے وہ پارٹیوں کے اندر ابھرنے والے اختلافی رجحانات کو دبانے کی بھی کوشش کر رہے ہیں۔ لیکن شائد زیادہ عرصہ وہ اس عمل کو جاری نہیں رکھ سکیں گے اور ان پالیسیوں کو ہندوستان اور بنگال کے محنت کش شائد زیادہ عرصہ برداشت بھی نہیں کر سکیں گے۔ اس سے ہندوستان کی کمیونسٹ پارٹیوں کے اندر بہت ٹوٹ پھوٹ ہوگی اور مارکسی انقلابی رجحانات کا ابھرنا اور

اکثریت تک حاصل کر لینا بھی ممکن ہو گا۔ اس سے ہندوستان میں ایک سوشلسٹ انقلاب کے امکانات تیزی سے روشن ہو سکتے ہیں۔لیکن یہ عمل صرف ہندوستان تک محدود نہیں ہے۔ حال ہی میں پاکستان پیپلز پارٹی کا ایک پارلیمانی وفد چین کی ''کمیونسٹ'' پارٹی کی سرکاری دعوت پر چین بھی اسی مقصد کیلئے گیا ہے۔لیکن چین میں ہونے والی ان تبدیلیوں اور کمیونسٹ پارٹی کی غداریوں کے اثرات صرف چین کے ہمسایہ ممالک تک ہی محدود نہیں ہیں۔ یورپ' افریقہ اور لاطینی امریکہ میں اصلاح پسند اور سابقہ سٹالنسٹ سیاسی راہنما اور ٹریڈ یونین لیڈر سرمایہ داری سے اپنی مصلحت پسندی کیلئے چینی افسر شاہی کی ان سرمایہ داری نواز پالیسیوں کو جواز کے طور پر پیش کر رہے ہیں۔لیکن ان پالیسیوں کے سب سے منفی اور نقصان دہ اثرات لاطینی امریکہ کے مختلف ممالک میں پڑ رہے ہیں۔ کیونکہ لاطینی امریکہ سے ہی نئے انقلابات کی لہر پھوٹ رہی ہے۔اس کی سب سے اہم مثال وینزویلا ہے۔ جہاں انقلاب بہت آگے بڑھ چکا ہے۔امریکی استعمار اور دھمکیوں سے یہ انقلاب رکنے کی بجائے مزید آگے بڑھ گیا ہے۔لیکن المیہ یہ ہے کہ شاویز کی اپنی پارٹی -- بولیوارین تحریک میں ایسے ہی سٹالنسٹ اور اصلاح پسند عناصر موجود ہیں جو اس انقلاب کی تکمیل میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں۔ یہ عناصر اور شاویز کی کابینہ میں بہت سے وزراء جن کے سرمایہ دارانہ نظام کے ساتھ مفادات وابستہ ہیں وہ بھی چین کی ''کمیونسٹ'' پارٹی کی ان پالیسیوں اور ''مثال'' کو جواز بنا کر مکمل سوشلسٹ معیشت اور تجارت پر ریاستی کنٹرول کو روکنے کی کوشش کر رہے ہیں۔اس سے نہ صرف انقلاب میں متحرک محنت کش عوام تھکاوٹ اور اکتاہٹ کا شکار ہو جائیں گے بلکہ انقلابی عمل کی پسپائی سے نہ صرف وینزویلا میں رد انقلاب کا خطرہ بڑھ سکتا ہے بلکہ سارے لاطینی امریکہ اور دنیا بھر میں جہاں وینزویلا میں ابھرنے والے انقلابی ریلے سے بائیں بازو کے کارکنان' نوجوانوں اور محنت کشوں نے بہت تقویت' جرات اور حوصلہ پایا تھا وہ بھی انقلاب کی پسپائی سے

عارضی طور پر بدگمانی کا شکار ہو سکتے ہیں۔

اس لئے یہ ضروری ہے کہ مارکسزم کے بنیادی جدلیاتی مادیت اور معاشی نظریات کے تحت چین کی موجودہ صورتحال کا جائزہ لے کر اس کا ایک مارکسی نقطہ نظر سے تناظر تخلیق کیا جائے۔ ماضی اور مستقبل کا جائزہ لئے بغیر حال کو نہیں سمجھا جا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ مارکسی فلسفہ جدلیاتی مادیت کے نظریہ پر مبنی ہے۔ اسی حوالے سے میرے پچیس سال سے انقلابی ساتھی اور ذاتی دوست کامریڈ فریڈ ویسٹن نے چین پر یہ جدید اور شاندار تجزیہ و تناظر تحریر کیا ہے۔ اس تحریر کا مقصد نہ صرف چین کا تاریخی، معاشی اور سماجی حوالے سے ٹھوس اور سائنسی تجزیہ کرنا ہے بلکہ وہ تناظر بھی تشکیل دینا ہے جس سے ہماری موجودہ نسل ایک سبق سیکھ کر چین اور دنیا بھر کے انقلابی تناظر سے روشناس ہو سکے۔ یہ کتاب نہ صرف بائیں بازو کے قدامت پرست اور مصلحت پرست مفکروں کے اصلاح پسندی کے نظریات کو مسترد کرتی ہے بلکہ چین کی دنیا کے سامنے وہ اصل اور حقیقی تصویر بھی پیش کرتی ہے جس کو حکمرانوں کے ذرائع ابلاغ دکھانے سے گریزاں ہیں۔

فریڈ اس تحریر میں معیشت کا گہرا اور بھرپور تجزیہ کر کے اس کے اصل کردار، اس کے سماجی اثرات اور ان کے مضمرات کو بھی تفصیلاً پیش کرتا ہے۔ چین میں محنت کشوں کی ہڑتالوں میں تیزی سے ہونے والے اضافے سے محنت کشوں کی تحریک کا تناظر اور کمیونسٹ پارٹی کا اپنا نقطہ نظر بھی فریڈ نے بہت وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ چین میں 5 سال قبل مزدوروں کی احتجاجی ہڑتالوں کی تعداد جو ہزاروں میں تھی اب لاکھوں میں چلی گئی ہے۔ اس سرمایہ دارانہ جھکاؤ سے غربت محرومی اور عوام کی اکثریت کیلئے بربادی پیدا کر دی گئی ہے۔ چین جہاں دنیا میں امارت اور غربت کے درمیان سب سے بڑی خلیج پیدا ہو چکی ہے وہاں ایک سماجی بغاوت کے آثار بھی ابھر رہے ہیں۔ نیچے سے تیزی سے ابھرتا ہوا دباؤ حکمرانوں پر بڑھ رہا ہے۔ اس لئے یہ

کوئی حادثہ نہیں کہ 1978ء میں چین کی اس سرمایہ دارانہ روش کی قیادت کرنے والے لیڈر ڈینگ ژیاؤ پنگ نے ''امیر ہونا ایک عظمت ہے'' (To get rich is Glorious) کا جو نعرہ دیا تھا اس کو چین کے موجودہ صدر اور کمیونسٹ پارٹی کے جنرل سیکرٹری ہوجن تاؤ نے تبدیل کر کے ''سب سے پہلے عوام'' (To put people first) کا نعرہ سرکاری طور پر پیش کر دیا ہے۔ لیکن چین میں محنت کشوں کی تحریک کا ابھی پہلا آغاز ہے جس طرح چینی معیشت کے ابھارنے دنیا بھر میں تہلکہ مچا دیا ہے اسی طرح آنے والے وقتوں میں چین جہاں دنیا کا اب سب سے بڑا پرولتاریہ ظہور پذیر ہو چکا ہے اس کی ابھرنے والی انقلابی تحریکیں بھی پوری دنیا کو جھنجھوڑ کر رکھ دیں گی۔ نپولین نے ایک مرتبہ کہا تھا کہ 'جب چین جاگتا ہے تو ساری دنیا لرزتی ہے'۔ اسی لئے اس جدید پرولتاریہ کی نئی انقلابی تحریکیں اتنی زوردار اور دیوہیکل ہونگی کہ جیسے اب چین کی مثال سرمایہ داری کو بچانے کیلئے دی جا رہی ہے اس سے کہیں بڑے پیمانے پر یہ محنت کشوں کی تحریکیں دنیا بھر کے عوام کیلئے چین کے سوشلسٹ انقلاب اور عالمی طور پر سرمایہ داری کے خاتمے کی مثال بن جائیں گی۔

ان تحریکوں کے تناظر اور چین کے ماضی' حال اور مستقبل کو سمجھنے کیلئے فریڈ ویسٹن کی یہ کتاب ''چین -- سرمایہ داری کی طرف لانگ مارچ'' تمام سیاسی کارکنان اور انقلابی کیڈروں کیلئے ایک بہت ہی اہم خزانہ اور ان کی جدوجہد میں انقلابی تعلیم کا ایک فیصلہ کن اوزار ثابت ہوگی۔

لال خان

لاہور- 6 جون 2006ء

سرمایہ داری کی طرف لانگ مارچ

اکتوبر 1917ء کے روسی انقلاب کے بعد 1949ء میں برپا ہونے والا چینی انقلاب تاریخ کا دوسرا اہم ترین واقعہ تھا۔ اس کے نتیجے میں جاگیرداری اور سرمایہ داری کا خاتمہ ہوا اور اس کے ساتھ ہی کرہ ارض کے ایک بہت بڑے حصے پر سامراجی غلبے کا بھی خاتمہ ہو گیا۔

تاہم روسی انقلاب کے نتیجے میں نسبتاً ایک صحت مند مزدور ریاست کا قیام عمل میں آیا تھا۔ یہ ریاست محنت کش طبقے نے بالشویک پارٹی کی زیر قیادت قائم کی تھی جو بین الاقوامیت کے نقطہ نظر کی حامل ایک انقلابی پارٹی تھی۔ جبکہ 1949ء کے چینی انقلاب کے فوراً بعد ایک مسخ شدہ سٹالنسٹ مزدور ریاست کا قیام عمل میں آیا۔

ابتدا ہی سے وہاں مزدور جمہوریت کیلئے درکار انتہائی بنیادی عوامل کا فقدان تھا۔ وہاں نہ تو سوویتیں تھیں، نہ ہی مزدور کنٹرول، نہ ہی ریاست سے آزاد حقیقی مزدور یونینیں اور نہ ہی ایک مستند مارکسی قیادت کا وجود تھا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ یہ انقلاب سٹالنسٹوں کی زیر قیادت ہوا تھا جو ایک کسان فوج کی قیادت کر رہے تھے اور اس کی بنیاد شہروں کے مزدور طبقے پر نہ تھی۔ کسان فوج بونا پارٹسٹ طرز حکمرانی کا کلاسیکی آلہ ہے۔ ماؤ نے اس کسان فوج کو اپنی بنیاد بنایا اور ایک بونا پارٹسٹ انداز میں مختلف طبقات کے درمیان شاطرانہ چالیں چلتا رہا۔ اس نے سرخ فوج کو پہلے تو جاگیرداروں اور پھر سرمایہ داروں کے خلاف ایک کار گر آلے کے طور پر استعمال کیا۔

چینی انقلاب کی فتح بعض مخصوص معروضی حالات کے پیش نظر ہوئی تھی۔ چینی انقلاب نے جو ہئیت اختیار کی اس کا بنیادی سبب یہ تھا کہ امریکی سامراج اس میں

مداخلت کرنے کا اہل نہیں تھا۔ دوسرا سبب یہ تھا کہ سرمایہ دارانہ نظام اور چیانگ کائی شیک کی زوال پذیر سرمایہ دارانہ ریاست کے اندر رہتے ہوئے چین ترقی نہیں کر سکا تھا۔ایک اور اہم عنصر یہ تھا کہ چین کی سرحد پر واقع روس کے اندر ایک دیوہیکل مسخ شدہ مزدور ریاست موجود تھی۔

ماؤزے تنگ اور چین کے سٹالنسٹوں نے چین میں جو ریاست تشکیل دی وہ سٹالنسٹ روس کی طرز پر تھی۔ یہ مزدور ریاست کی ایک بدشکل افسر شاہانہ نقالی تھی اور یوں 1949ء میں چین کے انقلاب کا آغاز وہاں سے ہوا جہاں روسی انقلاب ختم ہوا تھا۔

ہمیں یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ چین کی کمیونسٹ پارٹی کی قیادت کے تناظر کے برعکس چین کے انقلاب نے چین میں سرمایہ داری کا خاتمہ کر دیا تھا۔ ماؤ کا اصل تناظر ایک سو سال تک سرمایہ داری برقرار رکھنے کا تھا۔ وہ دو مرحلوں کے سٹالنسٹ نظریے پر یقین رکھتا تھا جس کے تحت ایک پسماندہ غیر ترقی یافتہ ملک میں سوشلسٹ انقلاب برپا نہیں ہوسکتا تھا اس لئے انقلاب کا پہلا مرحلہ ''جمہوری'' یعنی سرمایہ دارانہ انقلاب تھا۔صرف اس وقت جب سرمایہ داری ترقی کر لے گی تب جا کر سوشلزم کے لئے جدوجہد ممکن ہو سکے گی۔لیکن جب چین کے کمیونسٹوں نے عنان حکومت سنبھالا تو اس کے بعد جو کچھ ہوا اس نے اس نظریے کی نفی کر دی۔

ابتداء میں ماؤ نے کئی ایک سرمایہ دارانہ پارٹیوں کے ساتھ ''پاپولر فرنٹ'' تشکیل دیا۔ اس سے کچھ لوگوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ ماؤ انقلاب سے ''غداری'' کرے گا جیسا کہ کمیونسٹ پارٹی نے سپین اور دیگر ایسے ممالک میں کیا تھا جہاں مزدور طبقے کی تحریک کو روکنے کیلئے پاپولر فرنٹ تشکیل دیا گیا تھا۔تاہم 1949ء میں چین کے اندر ایک بنیادی فرق تھا۔ ریاستی طاقت ماؤ کے ہاتھوں میں تھی۔''مسلح لوگوں کے جتھے'' سرمایہ دار طبقے کے کنٹرول میں نہیں تھے۔سرمایہ دار طبقہ چیانگ کائی شیک کے

ساتھ فرار ہو کر تائیوان چلا گیا تھا۔ ایسا کوئی موثر سرمایہ دار طبقہ باقی ہی نہیں بچا تھا جس کے ساتھ کوئی حقیقی اتحاد تشکیل پا سکتا۔

ان حالات میں پاپولر فرنٹ ایک ایسا آلہ بن گیا جو شہری مزدوروں کو دبانے کیلئے استعمال کیا جا سکے تا کہ وہ سٹالنسٹ حکومت کی جانب سے مسلط کردہ حدود سے باہر نہ نکل سکیں۔ لیکن چونکہ کوئی ایسی ''ترقی پسند بورژوازی'' نہیں تھی جس کے ساتھ وہ ایک ''جمہوری'' سرمایہ دارانہ چین کی تعمیر کرتے' جو ملک اور معیشت کو موثر انداز میں چلا سکتی اور چونکہ حقیقی ریاستی طاقت سرخ فوج کے ہاتھوں میں تھی اس لئے انہیں مجبوراً معیشت پر مکمل طور پر قبضہ کرنا پڑا۔ ایک حوالے سے یہ نظریہ انقلاب مسلسل کی تصدیق تھی اگرچہ ایک مسخ شدہ شکل میں۔

اس حقیقت کے باوجود کہ چین کا انقلاب پرولتاری انقلاب کی شکل اختیار نہیں کر پایا تھا مارکسی رجحان نے اس کی حمایت کی تھی کیونکہ اس نے پیداواری قوتوں کو سرمایہ داری اور جاگیرداری کی جکڑ بندیوں سے آزاد کر دیا تھا اور معاشی ترقی کی وہ بنیادیں استوار کیں جو کسی بھی دوسری صورت میں ممکن نہیں ہو سکتی تھی۔ تاہم مارکسیوں نے اس امر کی ضرور وضاحت کر دی تھی کہ کمیونسٹ پارٹی اور ریاستی بیوروکریسی چین کی ترقی میں نسبتاً ایک ترقی پسندانہ کردار ادا کرے گی لیکن اس بیوروکریٹک بگاڑ کا مطلب یہ ہو گا کہ چین کے عوام کو ایک اور انقلاب یعنی سیاسی انقلاب کرنے کی ضرورت ہو گی تا کہ وہ حقیقی سوشلزم اور حقیقی مزدور ریاست کی طرف پیش قدمی کر سکیں۔

1949ء کے بعد چین کی معیشت کی بڑھوتری حیران کن تھی۔ اس امر کی تصدیق کیلئے 1949-1979ء کے عرصہ کے دوران چین اور بھارت کی معاشی ترقی کا تقابلی جائزہ لینا ہی کافی ہے۔ دونوں ملکوں نے کم وبیش ایک ہی سطح سے آغاز کیا تھا۔ لیکن اس تمام تر عرصے میں چین کی بڑھوتری کہیں زیادہ تھی۔ اس کی واحد

وضاحت یہ ہے کہ چینی معیشت مرکزیت پر مبنی ریاستی ملکیت کی حامل منصوبہ بند معیشت تھی۔ اگرچہ ایک حقیقی مزدور جمہوریت پر مبنی ریاست کے اندر اس سے کہیں بڑی حاصلات ممکن ہوتیں پھر بھی ماؤ کے زیر اثر چلنے والی منصوبہ بند معیشت آگے کی طرف ایک بہت بڑا قدم تھا اور اس سے بڑھوتری حاصل ہوئی اور اس نے وہ بنیاد فراہم کی جس پر آج کا جدید چین کھڑا ہے۔

تاہم، بیوروکریسی کئی ایک کمزوریوں کا شکار تھی۔ خاص کر یہ ایک تنگ نظر قوم پرستانہ نقطہ نظر کی قائل تھی جو تمام سٹالنسٹ حکومتوں کا خاصہ تھا۔ اگر روس اور چین حقیقی مزدور ریاستیں ہوتیں تو وہ باہم مل کر مشرقی یورپ کے ملکوں کے ساتھ ایک سوشلسٹ فیڈریشن تشکیل دیتیں اور ان تمام ممالک کے مادی اور انسانی ذرائع کو مشترکہ اور عقلی بنیادوں پر استعمال کرتے ہوئے پیداوار کے ایک عالمی منصوبے کی ترویج کرتیں۔ اس کے برعکس جیسا کہ مارکسیوں نے پیشین گوئی کی تھی، چین اور روس کی بیوروکریسی کے قوم پرستانہ نقطہ نظر کی وجہ سے ان کے درمیان تضادات پیدا ہو گئے۔

1960ء میں اس کا نتیجہ چین اور روس کی آپسی پھوٹ کی شکل میں نکلا۔ روس کی بیوروکریسی نے چین کو اپنے ''حلقہ اثر'' میں لانے کی کوشش کی۔ چین کی بیوروکریسی یہ برداشت نہیں کر سکتی تھی اور ماؤ روسی فوج کی پیش قدمی کے سبب اقتدار میں نہیں آیا تھا (جیسا کہ مشرقی یورپ کے زیادہ تر ممالک میں ہوا تھا) اور اس وجہ سے ٹیٹو کی طرح اس کی بھی اپنی آزادانہ بنیادیں تھیں۔ درحقیقت اس وقت مارکسیوں نے اس جانب اشارہ کیا تھا کہ سٹالن کو اب ایک اور ٹیٹو کا سامنا کرنا پڑے گا۔ جب تصادم پھوٹ پڑا تو روسی سٹالنسٹوں نے اپنی تمام تر امداد اور ماہرین وغیرہ سے ہاتھ کھینچ لیا جس سے اس وقت کی چینی معیشت کو ایک شدید دھچکا لگا۔ یہی وہ واقعہ تھا جس کے بعد چین کی بیوروکریسی ملک کو الگ تھلگ کرنے کی انتہائی رجعتی راہ پر چل نکلی اور اس نے چین کو باقی ماندہ عالمی معیشت سے اور یوں بین الاقوامی تقسیم محنت سے کاٹ

کر رکھ دیا۔

چونکہ ماؤ کو سوویت یونین سے علیحدگی کیلئے نظریاتی اور فکری جواز درکار تھا اس لئے اس نے اپنے اصل اقدامات پر پردہ ڈالنے کیلئے روس کی بیوروکریسی کی ''ترمیم پرستی'' پر تنقید شروع کر دی۔ لیکن درحقیقت چین اور روس کی بیوروکریسی میں کوئی بنیادی فرق نہیں تھا۔ اس نے ''ایک ملک میں سوشلزم'' کے نظریے کو ایک نئی جہت دینے کی کوشش کی حالانکہ ایک ملک میں سوشلزم کو تعمیر کرنا ناممکن ہے خواہ اس ملک کا حجم کسی براعظم جتنا ہی کیوں نہ ہو۔

یوں ایک پسماندہ اور تنہا چین کو مجبوراً انتہائی نچلی سطح سے آغاز کرتے ہوئے اپنے ذرائع پیداوار کو ترقی دینا پڑی کیونکہ اسے اس وقت کے روس میں موجود نسبتاً زیادہ ترقی یافتہ تکنیک کی مدد حاصل نہ تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ چین کو مادی اور انسانی دونوں وسائل کے حوالے سے ترقی کی بہت بھاری قیمت ادا کرنا پڑی۔ پھر بھی ایک پسماندہ نوآبادیاتی ملک جس کو سامراجیوں نے کھیل کا میدان بنا رکھا تھا ایک بہت بڑی طاقت بن گیا۔

اپنی تمام تر کمزوریوں کے باوجود چین کی بیوروکریسی وہ سب کچھ حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئی جس کے حصول میں لاغر بورژوازی مایوس کن حد تک ناکام رہی۔ یہ کام حقیقی قومی وحدت کا حصول اور ملک کی تاریخ میں پہلی بار ایک جدید ریاست کا قیام تھا۔ ایک ہی جست میں زرعی انقلاب مکمل کیا گیا اور ذرائع پیداوار کو قومی تحویل میں لینے سے وہ بنیادیں میسر آئیں جن سے چین کی معیشت بہت بڑے پیمانے پر ترقی کرنے لگی۔

1949ء اور 1957ء کے درمیان چینی معیشت کی سالانہ شرح نمو 11% تھی اور 1957ء اور 1970ء کے درمیان صنعتی پیداوار میں اضافہ 9% تھا جو کہ سرمایہ دارانہ دنیا سے کہیں زیادہ تھا (اسی عرصے کے دوران بھارت کی شرح نمو چین

کی شرح نمو کے نصف سے بھی کم تھی)۔ 1952ء میں بھی چین کے اندر سالانہ 1000 ٹریکٹر بن رہے تھے اور یہ اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ زراعت ابھی تک بہت ہی پسماندگی کا شکار تھی۔ 1976ء تک چین میں ٹریکٹروں کی سالانہ پیداوار بڑھ کر 190,000 ہوگئی۔

یہ تمام تر کامیابیاں اس گڑبڑ کے باوجود حاصل کی گئی تھیں جو 1958ء میں ''آگے کی جانب ایک عظیم پھلانگ''(Great Leap Forward) اور 1966ء کے ''ثقافتی انقلاب'' جیسی مہم جوئی کے نتیجے میں پیدا ہوئی تھی۔ ''آگے کی جانب ایک عظیم پھلانگ'' کے نتیجے میں زرعی پیداوار میں شدید کمی لاحق ہوئی جس کی وجہ سے ایک قحط پڑا اور ایک کروڑ پچاس لاکھ چینی موت کی آغوش میں چلے گئے۔ اسی طرح 1967ء اور 1968ء کے درمیان صنعتی پیداوار میں 15% کمی واقع ہوئی جس سے عوام کا معیار زندگی بہت تیزی سے روبہ زوال ہوا۔ معاشی ترقی میں ان دو بڑی پسپائیوں کے باوجود ریاستی منصوبہ بندی کے سبب معیشت دوبارہ سنبھل گئی۔

حتیٰ کہ 1974ء میں بھی جب باقی ماندہ دنیا کی معیشت کساد بازاری کا شکار تھی-- یہ دوسری عالمی جنگ کے بعد ایک ہی وقت میں ساری دنیا میں ہونے والی پہلی عالمی کساد بازاری تھی جس میں عالمی پیداوار میں 1% کمی واقع ہوئی تھی-- چین کی معیشت 10% کی شرح سے ترقی کر رہی تھی۔ اس صورتحال کا مقابلہ 1930ء کی دہائی کے روس کی صورتحال سے کیا جا سکتا ہے اور اس سے منصوبہ بند قومیائی گئی معیشت کی حاصلات اور کامیابی کا پتہ چلتا ہے۔

ان تمام چیزوں کا اثر یہ ہوا کہ اس سے چین کا سماج بدل گیا اور وہ بیسویں صدی میں داخل ہو گیا۔ 1949ء سے قبل چین میں ناخواندگی کی شرح 80% تھی۔ 1975ء میں 93% بچے سکول جا رہے تھے۔ صحت اور رہائش جیسی سہولتوں میں بے پناہ ترقی ہوئی۔ وہ خوفناک غربت جو انقلاب سے پہلے موجود تھی اس کو جڑ

سے اکھاڑ پھینکا گیا۔اس کے ساتھ ساتھ عمومی معیار زندگی میں بہتری آئی اور کئی ایک اہم سماجی کامیابیاں حاصل کی گئیں۔ 1945ء میں اوسط عمر 40 سال تھی جبکہ 1970ء میں یہ 70 سال ہوگئی اور یہ ترقی یافتہ سرمایہ دارانہ ملکوں کے قریب تر تھی۔ خواتین کی حیثیت میں بھی بہت بڑی تبدیلی رونما ہوئی جیسا کہ خواتین کے پاؤں میں بیڑیاں ڈالنے کے عمل کے خاتمے اور دیگر اصلاحات سے پتہ چلتا ہے۔

ٹراٹسکی بیوروکریسی کے بارے میں کیا کہتا ہے؟

ان دیوہیکل کامیابیوں کے باوجود چینی معیشت کی ترقی کیلئے بیوروکریسی تاریخی طور پر کوئی ناگزیر پرت نہیں تھی۔منصوبہ بندی کیلئے بیوروکریسی کا کارگر ہونا ضروری نہیں تھا۔اس کے برعکس بیوروکریسی کے ہوتے ہوئے بھی منصوبہ بندی کام دکھاتی رہی۔اکتوبر 1939ء میں ٹراٹسکی کے مضامین اور خطوط کا ایک مجموعہ شائع ہوا تھا جس کا نام تھا ''مارکسزم کے دفاع میں'' اس میں ٹراٹسکی کچھ یوں رقم طراز ہے:

''اگر یہ بونا پارٹسٹ سماجی غلاظت ایک طبقہ ہے تو اس کا مطلب ہے کہ یہ کوئی استقاط حمل نہیں ہے بلکہ تاریخ کا ایک جائز بچہ ہے۔اگر ڈاکہ زنی پر مبنی طفیلی پن سائنسی اصطلاح کے مفہوم میں ''استحصال'' ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ بیوروکریسی کا ایک تاریخی مستقبل ہوگا اور اس قسم کے معاشی نظام میں اس کی حیثیت لازمی طور پر حکمران طبقہ کی ہوگی۔''

ٹراٹسکی نے وضاحت کی تھی کہ اسکے برعکس بیوروکریسی کا کوئی تاریخی مستقبل نہیں ہے۔اس کا جنم سوویت یونین کے اندر انتہائی پسماندگی اور علیحدگی کے حالات کے زیر اثر ہونے والی زوال پذیری کے نتیجے میں ہوا تھا۔چینی حکومت سٹالنسٹ روس کے ماڈل پر تشکیل دی گئی تھی اور چینی بیوروکریسی وہی کردار ادا کر رہی تھی جیسا کہ روس کی بیوروکریسی۔

اس بیوروکریسی کے وجود کا مطلب یہ تھا کہ چینی سماج کے اندر کچھ لوگوں کے لئے مراعات موجود تھیں اور عمومی طور پر معاشرے میں عدم مساوات تھی۔ مثال کے طور پر 1976ء میں ایک ہفتے میں 48 گھنٹے کام کرنے والے صنعتی مزدور کی ماہوار اجرت 12 ڈالر تھی۔ پیشہ ور لوگوں کی اجرت 120 ڈالر یا اس سے زیادہ تھی۔ یوں اجرت میں تفاوت کا تناسب 1:10 تھا۔

روس کے اندر لینن نے 1:4 کے تفاوت کو تسلیم کیا تھا-- جیسا کہ اس نے اس کی وضاحت کی کہ یہ ایک ''بورژوا مصالحت'' تھی-- تاکہ معیشت کا پہیہ چلتا رہے لیکن اس کو ایک عارضی اقدام خیال کیا جا رہا تھا کیونکہ بالشویک عالمی سطح پر انقلاب برپا ہونے کا انتظار کر رہے تھے۔ بالشویک بین الاقوامیت پسندی کے نقطہ نظر کے مالک تھے اور سمجھتے تھے کہ ان کی حقیقی نجات صرف عالمی انقلاب میں پنہاں ہے۔ ان کا تناظر یہ تھا کہ جب ایک بار زیادہ ترقی یافتہ ملکوں کا پرولتاریہ سرمایہ داری کو جڑ سے اکھاڑ پھینکے گا تو ایک متوازن معاشی ترقی ممکن ہو سکے گی کیونکہ ان ملکوں کی جدید تکنیک پسماندہ روس کو میسر آ جائے گی۔ بدقسمتی سے ایک کے بعد دوسرے ملک میں انقلاب کو شکست ہوتی گئی اور روس کی تنہائی اور بھی بڑھتی گئی اور یوں بیوروکریٹک زوال پذیری پر حتمی مہر تصدیق ثبت ہوگئی۔

چین کی بیوروکریسی اجرتوں میں تفاوت کو بالشویکوں کے انداز سے نہیں دیکھ رہی تھی۔ چینی انقلاب کے بعد اجرتوں میں تفاوت کو اس انداز میں نہیں دیکھا جا رہا تھا کہ یہ ایک عارضی ''بورژوا'' مصالحت ہے جس کو انقلاب کی علیحدگی اور ملک کی پسماندگی کی وجہ سے مجبوراً اختیار کرنا پڑا بلکہ اس کو بیوروکریسی کیلئے دولت کے ارتکاز اور مراعات کا ذریعہ خیال کیا جاتا تھا۔ بیوروکریسی کا معیار زندگی عام مزدوروں سے کہیں زیادہ بہتر تھا۔ اسی صورتحال کے اندر کسی مخصوص لمحے سرمایہ داری کی بحالی کا امکان پوشیدہ تھا۔

جس حد تک منصوبہ بند معیشت بیورو کریسی کیلئے طاقت' آمدن' مراعات اور شان وشوکت کی ضمانت تھی اس نے اس کا دفاع کیا۔لیکن جیسا کہ ٹراٹسکی نے سوویت یونین کے ضمن میں نشاندہی کی تھی کہ بیوروکریسی نے محض ان مراعات سے مطمئن نہیں ہونا تھا جو اسے سماج میں انتظامی حیثیت کی وجہ سے حاصل تھیں بلکہ ان کی یہ خواہش بھی تھی کہ وہ ان مراعات کو اپنی آئندہ نسلوں تک منتقل کر دیں۔اس چیز کو ممکن بنانے کیلئے ملکیتی رشتوں کو بدلنا ضروری تھا۔اپنی کتاب ''انقلاب سے غداری'' کے نویں باب میں اس نے وضاحت کی تھی۔

''ہم ایک تیسری شکل کو فرض کرتے ہیں۔یہ کہ نہ ہی کوئی انقلابی اور نہ ہی کوئی ردانقلابی پارٹی اقتدار پر قبضہ کرتی ہے۔بیوروکریسی ریاست کے سربراہ کی حیثیت سے اپنا کام جاری رکھتی ہے۔ان حالات میں بھی سماجی تعلقات کوئی ٹھوس شکل اختیار نہیں کریں گے۔ہم اس بات پر تکیہ نہیں کر سکتے کہ بیوروکریسی پرامن طریقے سے برضا و رغبت سماجی مساوات کے حق میں دستبردار ہو جائے گی۔اگر آج' اس عمل کی انتہائی واضح دقتوں کے باوجود اس نے عہدوں اور القابات کو متعارف کروانا ممکن خیال کیا ہے تو یہ مستقبل میں ناگزیر طور پر اپنی حمایت ملکیتی رشتوں میں تلاش کرے گی۔یہ دلیل دی جاسکتی ہے کہ ایک بڑے بیوروکریٹ کو اس بات کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی کہ ملکیتی رشتے کیا ہیں بشرطیکہ اسے درکار آمدن کی ضمانت فراہم کر دی جائے۔اس دلیل میں نہ صرف بیوروکریٹ کے اپنے ذاتی حقوق کے عدم استحکام بلکہ اس کی آئندہ نسلوں کے مسئلے کو بھی نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔خاندان کا جو نیا رواج چل نکلا ہے وہ آسمان سے نہیں ٹپکا۔اگر مراعات کسی آدمی کے بچوں تک منتقل نہ ہو پائیں تو ان کی قدر و قیمت آدھی رہ جاتی ہے۔لیکن جائیداد کے انتقال کا حق ملکیت کے حق سے علیحدہ نہیں ہوسکتا۔کسی ٹرسٹ کا ڈائریکٹر ہونا کافی نہیں ہوتا ہے بلکہ ضروری ہے کہ حصص کا مالک بنا جائے۔اس فیصلہ کن میدان میں بیوروکریسی کی فتح کا

مطلب یہ ہوگا کہ یہ صاحب ملکیت طبقہ میں تبدیل ہو جائے گی۔''

اورٹراٹسکی نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا:

''سوویت حکومت کی یہ تعریف کرنا کہ یہ ایک عبوری یا درمیان کا مرحلہ ہے اس بات کے مترادف ہے کہ آدمی سرمایہ داری (اور اس حوالے سے ''ریاستی سرمایہ داری'') اور سوشلزم جیسی حتمی سماجی درجہ بندیوں کو ترک کر دے۔ لیکن اپنے اندر ناکافی ہونے کے علاوہ اس طرح کی تعریف اس غلط خیال کو جنم دے سکتی ہے کہ موجودہ سوویت حکومت سے محض سوشلزم کی طرف عبور ہی ممکن ہے۔ درحقیقت سرمایہ داری کی طرف واپس پلٹنے کے عمل کے مکمل امکانات موجود ہیں اس سے زیادہ حتمی تعریف ناگزیر طور پر زیادہ پیچیدہ اور بوجھل ہوگی۔

''سوویت یونین ایک متضاد معاشرہ ہے جو سرمایہ داری اور سوشلزم کے درمیان کھڑا ہے اور جس میں (i) پیداواری قوتیں اس عمل کیلئے کہیں زیادہ ناکافی ہیں کہ ریاستی ملکیت کو سوشلسٹ کردار تفویض کیا جا سکے (ii) قلت کی وجہ سے پرانے زمانے کے ارتکاز دولت کا رجحان منصوبہ بند معیشت کی رگ و پے سے پھوٹ پھوٹ کر باہر نکل رہا ہے (iii) بورژوا کردار کے حامل تقسیم کے طریقہ ہائے کار ایک نئی سماجی تقسیم کی بنیادوں میں موجود ہیں (iv) اگرچہ معاشی نمو رفتہ رفتہ محنت کشوں کے حالات میں بہتری پیدا کر رہی ہے لیکن وہ بڑی سرعت کے ساتھ مراعت یافتہ پرت کی تشکیل کر رہی ہے (v) سماج میں موجود متضاد قوتوں کو استعمال کرتے ہوئے بیوروکریسی نے ایک ایسی بے قابو پرت کی شکل اختیار کر لی ہے جو سوشلزم سے اجنبیت کا شکار ہے (vi) سماجی انقلاب، جس سے حکمران گروہ غداری کا ارتکاب کر چکا ہے، اب بھی ملکیتی رشتوں اور محنت کش عوام کے دل و دماغ میں باقی ہے (vii) مجتمع ہوتے ہوئے تضادات میں مزید کسی پیش رفت کے نتیجے میں سوشلزم کی طرف آگے بڑھنے کے ویسے ہی امکانات ہیں جیسا کہ سرمایہ داری کی طرف واپسی کے (viii) سرمایہ

داری کی طرف آگے بڑھنے کیلئے ردانقلاب کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ مزدوروں کی مزاحمت کوتوڑے (ix) سوشلزم کی جانب بڑھنے کے لئے محنت کشوں کو بیوروکریسی کو اکھاڑ پھینکنا ہوگا۔ آخری تجزیے میں اس سوال کا فیصلہ قومی اور بین الاقوامی سطح پر زندہ قوتوں کی جدوجہد کے ساتھ ہوگا۔''

''عقیدہ پرست یقیناً مفروضے پر مبنی تعریف سے مطمئن نہیں ہونگے۔ وہ ایک واضح فارمولا پسند کریں گے: ہاں یا نہیں--عمرانیات کے مسائل یقیناً بہت آسان ہوتے اگر سماجی مظاہر ہمیشہ کسی حتمی کردار کے حامل ہوتے۔ تاہم اس بات سے زیادہ اور کوئی چیز خطرناک نہیں ہے کہ آدمی منطقی حتمی پن کیلئے حقائق سے چشم پوشی کرے۔ وہ عناصر جو آج آپ کے منصوبے میں خلل ڈالتے ہیں کل وہ اس کو مکمل طور پر الٹ کر رکھ سکتے ہیں۔ اپنے تجزیے میں ہم نے ان متحرک سماجی شکلوں کے ساتھ تشدد روا رکھنے سے اجتناب برتا ہے جن کی کوئی مثال یا تاریخی مماثلت نہیں ہے۔ سائنسی اور سیاسی فریضہ یہ نہیں کہ ایک نامکمل عمل کا کوئی حتمی فارمولا یا تعریف بنادی جائے بلکہ یہ ہے کہ اس کے تمام مراحل پر نظر رکھی جائے' اس کے ترقی پسند رجحانات کو رجعتی رجحانات سے الگ کیا جائے' ان کے باہمی تعلقات کو بے نقاب کیا جائے' مستقبل میں ہونے والی پیش رفت کی ممکنہ مختلف شکلوں کی پیش بینی کی جائے اور اس بصیرت کے اندر عمل کی بنیاد تلاش کی جائے۔''

یوں ہم دیکھ سکتے ہیں کہ ٹراٹسکی کے تناظرات میں سرمایہ داری کی طرف واپسی ایک ٹھوس امکان تھا۔ اس نے نشاندہی کی تھی کہ اس طرح کی بیوروکریسی کے ہاتھوں میں قومیائی گئی منصوبہ بند معیشت محفوظ نہیں اور اس میں یہ خطرہ پوشیدہ تھا کہ کسی مخصوص مرحلے پر سرمایہ داری دوبارہ بحال کردی جائے۔

اپنی تعریف کی رو سے مزدوروں کی ایک مسخ شدہ ریاست سرمایہ داری اور سوشلزم کے درمیان ایک عبوری حکومت ہوتی ہے جس کا یا تو ایک سیاسی انقلاب کے

ذریعے خاتمہ کر دیا جاتا ہے یا پھر وہ پیچھے کی جانب کھسک کر سرمایہ داری میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ تاریخی اعتبار سے روسی انقلاب کی زوال پذیری کے باعث یہ پہلی بار وجود میں آئی۔ یہ پیداواری قوتوں کی ترقی میں ایک غیر ضروری مرحلہ ہے۔ یہ کوئی ناگزیر مرحلہ یا ضروری سماجی ہیئت نہیں تھی۔ اگر روسی انقلاب 1920ء کی دہائی میں ترقی یافتہ ملکوں میں پھیل جاتا تو سٹالنزم کبھی بھی وجود میں نہیں آ سکتا تھا۔

پھر بھی اپنی محدودیت کے باوجود ان حکومتوں نے ذرائع پیداوار کو بے مثال حد تک ترقی دی۔ اس حوالے سے ان میں ترقی پسندانہ عنصر موجود تھا۔ اس کا سبب ذرائع پیداوار پر ریاستی ملکیت اور منصوبہ بند معیشت تھی۔ ٹراٹسکی نے ''انقلاب سے غداری'' میں اس کا تجزیہ کیا تھا اور ایک پیش بینی کی تھی: جب تک یہ حکومت ایک پسماندہ ملک کی معیشت کو ترقی دے سکے گی اس وقت تک اسے کسی حد تک کامیابیاں ملیں گی۔ لیکن جوں جوں معیشت میں جدت آتی جائے گی یہ بیوروکریسی اس کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ بن جائے گی۔

جوں جوں معیشت بڑھتی گئی بیوروکریسی نے دولت کے زیادہ سے زیادہ حصے پر ہاتھ صاف کرنا شروع کر دیا۔ اس سے محنت کشوں اور کسانوں کی پیدا کردہ دولت کا بڑے پیمانے پر ضیاع ہونے لگا اور ساتھ ہی بدعنوانی اور لوٹ مار بھی شروع ہو گئی۔ زیادہ اہم بات یہ تھی کہ جب معیشت ترقی کر گئی اور وہ زیادہ جدید ہو گئی تو یہ بات واضح ہو گئی کہ اس طرح کی حکومت کا بیوروکریٹک کمان سسٹم بڑے پیمانے پر پیچیدہ ہوتی ہوئی اس معیشت کا مکمل انتظام کرنے سے قاصر تھا۔ وہ بیوروکریسی جو پیداواری قوتوں کی ترقی کی راہ میں پہلے ایک نسبتی رکاوٹ تھی اب ایک قطعی رکاوٹ بن گئی۔

ٹراٹسکی نے پیداواری صلاحیت کے مسئلے پر بھی زور دیا تھا۔ جیسا کہ ہم دیکھیں گے کہ اس عنصر کے ذریعے اس سوال کا جواب ملتا ہے کہ مشرقی یورپ اور سوویت یونین میں سٹالنسٹ ریاستوں کا انہدام کیونکر ہوا۔ ٹراٹسکی نے ''انقلاب سے

غداری'' کے پہلے باب میں وضاحت کی تھی کہ:

''سوویت صنعت کی متحرک بنیادیں اپنی مثال آپ ہیں۔لیکن وہ ابھی قطعاً فیصلہ کن حیثیت کی مالک نہیں ہیں۔سوویت یونین ایک خوفناک پسماندگی سے اوپر اٹھ رہا ہے جبکہ سرمایہ دارانہ ریاستیں ایک انتہائی اونچی سطح سے نیچے گر رہی ہیں۔اس وقت طاقتوں کے باہمی تعلق کا تعین شرح ترقی سے نہیں ہوتا بلکہ اسکا تعین دونوں کیمپوں کی اس مکمل طاقت کے تقابلی جائزے سے ہوتا ہے جس کا اظہار مادی ارتکاز ' تکنیک' ثقافت اور سب سے بڑھ کر انسانی محنت کی پیداواری صلاحیت سے ہوتا ہے۔ جب ہم اس شماریاتی نقطہ نظر سے معاملے کا جائزہ لیتے ہیں تو صورتحال یکسر بدل جاتی ہے۔اور اس سے سوویت یونین انتہائی خسارے میں چلا جاتا ہے۔''

اس نے اس اہم نقطے کا اضافہ کیا تھا:

''لیکن بنیادی طور پر سوویت یونین کو عالمی سطح پر اس سوال کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے کہ باقی کون بچے گا -- نہ صرف فوجی حوالے سے بلکہ اس سے کہیں زیادہ بڑھ کر معاشی حوالے سے۔فوجی مداخلت خطرناک ہوتی ہے۔لیکن اس سے بھی کہیں زیادہ خطرناک سرمایہ داروں کی مال گاڑیوں میں آنے والی سستی اشیاء کی مداخلت ہوتی ہے۔'' (انقلاب سے غداری باب 9)

ٹراٹسکی نے 1925ء ہی میں ان مسائل پر ایک انتہائی دوراندیشی پر مبنی اور تند و تیز تجزیہ لکھا تھا جس کا نوخیز سوویت ریاست کو سامنا تھا۔اس کا نام تھا ''روس کا مستقبل کیا ہوگا ؟'' (بعد میں یہ ''سرمایہ داری کی طرف یا سوشلزم کی طرف ؟'' کے نام سے مشہور ہوا)۔اس کتاب میں ٹراٹسکی نے یہ سوال بڑے واضح انداز میں اٹھایا تھا: ''عالمی معیشت کے نقطہ نظر سے ہماری ترقی کی شرح کیا ہے؟ اور اپنے ہی سوال کا جواب دیتے ہوئے اس نے کچھ یوں کہا تھا:

''ٹھیک اپنی کامیابیوں کی وجہ سے ہم عالمی منڈی میں داخل ہو چکے ہیں یعنی ہم

تقسیم محنت کے آفاقی نظام کا حصہ بن گئے ہیں۔لیکن اس کے ساتھ ساتھ سرمایہ داری نے ہمیں گھیر رکھا ہے۔ان حالات میں ہماری معاشی ترقی کی شرح اس طاقت کا تعین کرے گی جس کے ساتھ ہم عالمی سرمایہ داری کے معاشی دباؤ اور عالمی سامراج کے سیاسی اور فوجی دباؤ کی مزاحمت کریں گے۔'' (لیفٹ اپوزیشن کا چیلنج 25-1923ء؛ پاتھ فائنڈر، 1975، صفحہ 330)

1925ء میں ٹراٹسکی نے سوویت معیشت کے گروتھ ریٹ کے مسئلے پر بہت زور دیا تھا۔اس نے زور دیا تھا کہ'' ... آگے بڑھنے کی شرح ہی فیصلہ کن عنصر ہے'' اور اضافہ کیا تھا کہ:

''یہ بات بالکل واضح ہے کہ جب ہم عالمی منڈی کا حصہ بنیں گے تو نہ صرف ہمارے لئے امکانات بلکہ خطرات میں بھی اضافہ ہو جائے گا۔دیگر بہت سی چیزوں کی طرح اس کا سبب بھی ہماری کسان معیشت کی منتشر ہیئت، تکنیکی پسماندگی اور اس وقت ہمارے مقابلے میں عالمی سرمایہ داری کی بے انتہا پیداواری برتری ہے ... (ایضاً صفحہ 344)''

''بورژوا ریاستوں کی معاشی برتری اس حقیقت میں پنہاں ہے کہ آج کے اس عہد میں بھی سرمایہ داری سوشلزم کے مقابلے میں زیادہ سستی اور بہتر اشیاء پیدا کر رہی ہے۔بالفاظ دیگر ان ممالک میں جو اس وقت بھی پرانی سرمایہ دارانہ تہذیب کے قانونِ حرکت کے تحت زندگی گزار رہے ہیں، وہاں موجودہ صورتحال میں بھی محنت کی پیداواری صلاحیت اس ملک کی نسبت کہیں زیادہ ہے جو ورثے میں ملی بربریت کے حالات میں سوشلسٹ طریقہ ہائے کار کا اطلاق کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔''

''ہم تاریخ کے اس بنیادی قانون سے بخوبی واقف ہیں: بالآخر فتح اس نظام کو حاصل ہوتی ہے جو انسانی سماج کو ایک بلند تر معاشی مقام فراہم کرے۔''

''تاریخی تنازع کا فیصلہ--اور یقیناً فوری طور پر نہیں--محنت کی پیداواری

صلاحیت کی بنیادوں کے مقابلے سے ہوگا۔''

ان واقعات کو سمجھنے کیلئے جو کئی عشرے بعد سٹالنسٹ ریاستوں میں رونما ہوئے ٹراٹسکی کی ان باتوں کی بے انتہا اہمیت ہے۔ اگرچہ منصوبہ بند معیشت کے بل بوتے پر سوویت یونین میں ذرائع پیداوار کی ترقی کی بے پناہ گنجائش پیدا ہوئی پھر بھی یہ ترقی یافتہ سرمایہ دار ملکوں سے بہت پیچھے تھا۔ لیکن جب تک بیوروکریسی پیداواری قوتوں کو ترقی دے رہی تھی سٹالنسٹ حکومت کو قدرے استحکام کی ضمانت حاصل تھی۔ دراصل 1930ء کی دہائی میں نہ صرف پیداواری قوتیں ترقی کر رہی تھیں بلکہ ان کی ترقی سرمایہ دارانہ دنیا کے مقابلے میں کہیں زیادہ شرح سے نمو پا رہی تھی۔ اس سے اس عہد میں سٹالنسٹ حکومت کے ابھرنے کی صلاحیت کی وضاحت ہوتی ہے اور اس بات کی بھی کہ بیوروکریسی کے اندر سرمایہ داری نواز رجحانات ایک واضح طاقت کی شکل میں کیونکر نمودار نہیں ہو رہے تھے۔

تاہم ٹراٹسکی نے یہ بھی وضاحت کی تھی کہ اپنے ارتقا کے ایک خاص مرحلے پر بیوروکریسی ایک نسبتی رکاوٹ کی بجائے ذرائع پیداوار کی راہ میں ایک قطعی رکاوٹ بن جائے گی۔ گروتھ ریٹ ماند پڑ جائے گا اور اس سے سرمایہ داری کی بحالی کا امکان دوبارہ پیدا ہو جائے گا۔

1960ء اور 70 کے عشروں میں یہی کچھ ہوا۔ پہلے تو سوویت یونین کی معاشی نمو کم ہوتے ہوتے مغرب کے سرمایہ دارانہ ملکوں کے برابر آ گئی اور پھر ایک جگہ رک گئی۔

جب یہ لمحہ آن پہنچا تو ٹراٹسکی کے بقول دو امکانات تھے: یا تو مزدور بیوروکریسی کا دھڑن تختہ کر دیتے اور منصوبہ بند معیشت کو مزدوروں کے جمہوری کنٹرول میں دیکر اور پیداوار کا انتظام و انصرام سنبھال کر محفوظ بنا لیتے یا پھر سرمایہ داری کی طرف رد انقلابی مراجعت ہونا تھی۔

تاریخ نے ثابت کیا کہ ان ریاستوں کا مقدر سرمایہ داری کی طرف مراجعت کرنا تھی۔ روس اور مشرقی یورپ میں جہاں 1970ء کے عشرے سے بحران چلا آ رہا تھا ہم نے دیکھا کہ یہ نظام اس وقت منہدم ہو گیا جب یہ بات واضح ہوگئی کہ یہ اب معیشت کو مزید ترقی دینے سے قاصر تھا۔ روس میں تو یہ نظام بالکل یکدم منہدم ہو گیا اور معیشت کو دوبارہ سنبھلنے اور سرمایہ دارانہ بنیادوں پر آگے بڑھنے میں کئی سال لگ گئے۔

چین کی بیوروکریسی سبق سیکھتی ہے

چین کے اندر چیزوں کی پیش رفت ذرا مختلف انداز میں ہوئی ہے۔ چین کی بیوروکریسی نے روس میں ہونے والے واقعات کا بغور مشاہدہ کیا۔ بیوروکریسی کے جس دھڑے کی نمائندگی ڈینگ کر رہا تھا اس نے روس کے تجربے اور ماضی قریب کے اپنے تجربے سے سبق حاصل کیے۔ چین ایک براعظم کے برابر کا ملک ہے جس کی بہت بڑی آبادی ہے لیکن اتنا بڑا ملک بھی باقی ماندہ عالمی معیشت سے کٹ کر ترقی نہ کر سکا۔ ''ایک ملک میں سوشلزم'' کا نظریہ ناکام ثابت ہوا۔ ماؤ کی زیر قیادت بیوروکریسی نے دوسروں سے الگ تھلگ جو ریاست تشکیل دینے کی کوشش کی تھی بالآخر اس کی حدود نظر آنے لگ گئیں۔

ڈینگ کے دھڑے نے روس اور مشرقی یورپ کو بحران کا شکار ہوتے ہوئے دیکھا اور 91-1989ء کے دھماکہ خیز واقعات کا مشاہدہ کیا جن میں یہ تمام کی تمام حکومتیں یکے بعد دیگرے انہدام کا شکار ہوگئیں اور سرمایہ داری کی طرف سفر شروع ہو گیا۔ انہوں نے اپنی نظروں سے دیکھا کہ روس کی دیوہیکل اور انتہائی طاقتور بیوروکریسی ریت کے گھروندوں کی طرح ختم ہوگئی۔ مشرقی یورپ اور سوویت یونین کے تمام سابقہ سٹالنسٹ ملکوں میں معیشت کو شدید دھچکا لگا' ذرائع پیداوار کی بڑے

پیمانے پر تباہی ہوئی اور بیوروکریسی اس عمل پر اپنا کنٹرول کھو بیٹھی۔ معیشت کو پھر سے سنبھلنے اور آگے بڑھنے میں کچھ وقت لگا۔ ان واقعات میں چین کی بیوروکریسی کو اپنا ممکنہ مستقبل نظر آ رہا تھا۔ اس لئے وہ اس نتیجے پر پہنچی کہ وہ چین کے اندر ایسا نہیں ہونے دے گی اور یہ کہ ان کے اپنے ملک کے اندر اسی طرح کے انہدام سے بچنے کیلئے پالیسی کے اندر کسی نہ کسی طرح کی تبدیلی درکار تھی۔

اسی دور میں تیانا مین کے واقعات سے ظاہر ہوا کہ کسی لمحے پر چین کی بیوروکریسی کو بھی ایسے ہی حالات کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔ اس واقعے اور اس کے ساتھ ساتھ سوویت یونین کے انہدام کے چینی بیوروکریسی کی سوچ پر بہت گہرے اثرات مرتب ہوئے اور وہ مجبور ہو گئے کہ وہ منڈی کے میکانزم کے انتہائی ابتدائی مرحلے سے شروع کریں تا کہ صنعتی پیداوار میں اضافہ ممکن ہو سکے جبکہ وہ اس اصول پر قائم رہے کہ ریاستی شعبے کا غلبہ برقرار رہنا چاہیے اور اس عمل کو تیز کیا جائے جس کا حتمی نتیجہ آج کل کی صورتحال کی شکل میں برآمد ہوا جہاں نجی شعبے کو غلبہ حاصل ہے۔

جیسا کہ سوویت یونین میں ہوا تھا چین میں بھی جیسے جیسے ماؤ کی زیر قیادت معیشت ترقی کرتی گئی بیوروکریسی کی حرص میں بھی اضافہ ہوتا گیا اور معیشت کے مختلف شعبوں میں باہمی تعاون کا فقدان بڑے پیمانے پر نظر آنے لگا۔ اسی بات سے ''آگے کی جانب ایک بڑی پھلانگ'' اور ''ثقافتی انقلاب'' جیسے مظاہر کی وضاحت ہوتی ہے۔ ماؤ کی کوشش تھی کہ وہ ان طریقوں سے معیشت کو آگے بڑھائے اور اس کے ساتھ ہی ساتھ اس نے بیوروکریسی کی بڑھوتری پر روک لگانے کی کوشش کی جس سے اب نظام کے استحکام کو خطرہ لاحق تھا۔

بیوروکریسی کے بعض حصوں کے تجاوز کرنے سے ساری بیوروکریٹک پرت کے مفادات کو خطرہ لاحق ہو سکتا ہے۔ اس حوالے سے یہ اقدام ویسے ہی تھا جیسا کہ سٹالن نے 1930ء کی دہائی میں کیا تھا جب اس نے بیوروکریسی کے اندر موجود بعض عناصر

کے خلاف انتہائی سخت اقدامات کیے تھے۔لیکن اس کا مقصد ہمیشہ یہی رہا تھا کہ حکومت کے استحکام کو یقینی بنایا جائے۔حتیٰ کہ سٹالن نے بعض بیوروکریٹوں کو گولی مروادی تھی۔ اس نے سب سے زیادہ بدعنوان دھڑے کے خلاف انتہائی کاری ضربیں لگائیں تا کہ بحیثیت مجموعی بیوروکریسی کو تحفظ فراہم کیا جا سکے۔اس طرح کا عنصر ثقافتی انقلاب میں بھی موجود تھا جب چین کی بیوروکریسی کا ایک حصہ حملوں کی زد میں آیا۔لفاظی کا سہارا لیتے ہوئے ماؤ نے ''سرمایہ داری کی راہ پر چلنے والوں'' پر حملہ کیا تا کہ اپنی پوزیشن مضبوط کر سکے جب کہ اسی کے ساتھ ساتھ اس نے انتہا درجے کی بدعنوانی پر روک لگانے کی کوشش کی جس سے سارے نظام کو خطرہ لاحق تھا۔

جیسا کہ مغرب میں بعض لوگ دعویٰ کر رہے تھے کہ ثقافتی انقلاب مزدوروں اور نوجوانوں کی طرف سے شروع کی گئی کوئی تحریک تھی جس کے ذریعے وہ بیوروکریٹوں پر اپنی مرضی مسلط کر رہے تھے۔مینڈل اور اس کے ساتھی ثقافتی انقلاب کا تقابل پیرس کمیون کے ساتھ کرتے تھے۔اس سے یہ بات ظاہر ہو رہی تھی کہ وہ اس واقعے کو سمجھنے سے قطعاً قاصر تھے۔وہ بیوروکریسی کے ایک دھڑے کی طرف سے دوسرے دھڑے کے خلاف شروع کردہ ایک تحریک کو 1871ء میں پیرس میں مزدوروں کی ایک حقیقی بغاوت کے ساتھ گڈ مڈ کر رہے تھے۔وہ اس بات کو سمجھنے سے قاصر تھے کہ ماؤ جو کہ مختار کل تھا اوپر سے ثقافتی انقلاب کو کنٹرول کر رہا تھا۔جیسا کہ ہم پہلے ہی وضاحت کر چکے ہیں' ان طریقہ ہائے کار کے ساتھ بجائے اس کے کہ ماؤ معیشت کو آگے لے جاتا اس سے بڑے پیمانے پر گڑ بڑ اور بدنظمی پیدا ہوئی۔تین سال تک زرعی اور صنعتی پیداوار مکمل طور پر منہدم ہو گئی اور تمام سکول اور یونیورسٹیاں بند کر دی گئی تھیں۔ ڈینگ ژیاؤ پنگ جس دھڑے کی قیادت کر رہا تھا وہ خوفزدہ ہو گیا اور اس نے اس تجربے سے نتائج اخذ کرنا شروع کر دیئے۔

ہمیں یہ بات سمجھنے کی ضرورت ہے کہ منصوبہ بند معیشت صرف اسی صورت میں

بہتر کام کرسکتی ہے جب ہر سطح پر محنت کش طبقے کی نگرانی موجود ہو۔تمام سطحوں پر منصوبہ جات پر مزدوروں کے درمیان بحث ہونی چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ مزدور جمہوریت' مزدوروں کا کنٹرول اور انتظام وانصرام منصوبہ بندی کی کارگزاری کے لازمی عناصر ہیں۔مزدوروں کا جو کہ صارفین بھی ہوتے ہیں منصوبے کی کارگزاری میں ایک مادی فائدہ بھی ہوتا ہے اس لئے وہ اس بات کو یقینی بناتے ہیں کہ منصوبہ ہر سطح پر کامیاب ہو۔ بیوروکریٹ کی دلچسپی محض اتنی ہوتی ہے کہ اس کو اپنا کوٹہ مل جائے اور اسے بونس ملتے رہیں۔اسے چیز کی کوالٹی اور باقی ماندہ پیداوار کے ساتھ ہم آہنگی سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔مزید یہ کہ مرکزیت پر مبنی بیوروکریسی پیداوار کے ''ہر'' پہلو کے بارے میں فیصلہ نہیں کرسکتی۔ وہاں انتہائی خوفناک گڑبڑ اور عدم کارگزاری جنم لیتی ہے جہاں ہر چیز کا دارومدار مرکزی بیوروکریٹک کمان پر ہو۔ یہ ضروری ہے کہ مزدور ہر سطح پر مجموعی منصوبے کی نگرانی کریں۔اس سے اس چیز کی وضاحت ہوتی ہے کہ ''آگے کی جانب بڑی چھلانگ'' اور'' ثقافتی انقلاب'' کیوں ناکامی سے دوچار ہوئے تھے۔یوں ان دو واقعات کا حتمی نتیجہ محض یہ نکلا کہ ان سے بیوروکریسی کی طرف سے روڑے اٹکانے کا عمل مزید بڑھ گیا۔

ثقافتی انقلاب میں جو کچھ ہوا تھا وہ بعد میں ڈینگ کی زیر قیادت رونما ہونے والے واقعات کو سمجھنے میں کافی اہمیت کا حامل ہے۔ ماؤاسٹ بیوروکریسی نے بیوروکریسی ہی کے ایک دھڑے پر ضرب لگانے کیلئے عوام کا سہارا لیا۔ایک بونا پارٹسٹ کے انداز میں ایسا کرتے ہوئے انہوں نے نیچے سے قوتوں کو چھوڑ دیا۔اس میں ایک خطرہ بھی پنہاں تھا۔عوام کو مزید آگے بڑھنے کی اجازت دینے کا مطلب یہ تھا کہ چیزیں بیوروکریسی کے ہاتھوں سے نکل سکتی تھیں۔ جب انہوں نے بیوروکریسی کے ایک حصے کی تجاوزات پر روک لگالی تو ماؤ اور اس کے ساتھیوں نے اسی تحریک کو آڑے ہاتھوں لیا جس کو خود انہوں نے ہی اوپر اٹھایا تھا اور 1969ء میں اسے مکمل

لگام ڈال دی۔ یوں ان کا بڑا نعرہ ''عوام درست ہوتے ہیں' لوگ جو کچھ کہتے ہیں ٹھیک کہتے ہیں'' سے بدل کر یہ بن گیا ''درست بات وہی ہے جو چیئرمین ماؤ سوچتا ہے۔''

جب عوام کے پر کاٹ دیے گئے تو طاقتوں کا توازن سرمایہ داری کے حامی دھڑے کے حق میں چلا گیا۔ جب ایک بار ماؤ نے عوام پر روک لگا دی تو پھر طاقتوں کے توازن کا تعین ناگزیر طور پر بیوروکریسی کے اندر ہونے لگا۔ مزدوروں کے حوالے سے ماؤ کی پریشانی بلا جواز نہیں تھی کیونکہ اس سے پہلے نیچے سے ہڑتالی اقدامات اور تحریکیں اٹھ چکی تھیں۔ ان میں آخری 67-1966ء اور 1976ء میں رونما ہوئی تھیں جب اجرت اور حالات میں بہتری لانے کیلئے مزدور تنظیموں کی طرف سے ایک بغاوت ہوئی تھی۔ یہاں ہمیں ایک ایسا رجحان نظر آتا ہے جس میں مزدور بیوروکریسی کی طرف سے مسلط کردہ حدود و قیود کو پھلانگ کر آگے نکل جانا چاہتے تھے۔ ہمیں جو بات سمجھنے کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ ماؤاسٹ بیوروکریسی ریاستی منصوبے کا دفاع کرتے ہوئے اس حد تک نہیں جا سکتی تھی کہ وہ اقتدار مزدوروں کے حوالے کر دیتی۔ اس کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ انہیں اپنی مراعات سے ہاتھ دھونے پڑتے۔

تاہم اب بھی انہیں یہ مسئلہ درپیش تھا کہ معیشت کو کیسے ترقی دی جائے۔ ایک حقیقی مارکسی نقطہ نظر کے مطابق واحد حل یہ تھا کہ مزدوروں کا حقیقی کنٹرول متعارف کروایا جائے۔ یہ بلاشبہ وہ چیز تھی جو بیوروکریسی کرنے پر قطعاً آمادہ نہ تھی۔ ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ چینی بیوروکریسی کا جو دھڑا منصوبہ بند معیشت کا دفاع کر رہا ہے وہ ایسا محض اپنے مفادات اور مراعات کے تحفظ کیلئے کر رہا ہے۔ ٹراٹسکی نے ''مارکسزم کے دفاع میں'' میں اس کی بہت اچھی وضاحت پیش کی ہے۔ وہ کہتا ہے ''بیوروکریسی کی سب سے پہلی اور اولین دلچسپی اپنا اقتدار' اپنا جاہ و جلال اور اپنی آمدن ہے۔ یہ سوویت یونین کے دفاع کی نسبت اپنا دفاع کہیں زیادہ بہتر انداز میں کر رہی

ہے۔ یہ سوویت یونین اور عالمی پرولتاریہ کی قیمت پر اپنا دفاع کر رہی ہے۔'' بیورو کریسی کی حقیقت کا یہی جوہر ہے۔

بیوروکریسی کے ایک بڑے حصے نے اس وقت سکھ کا سانس لیا جب ثقافتی انقلاب ختم کر دیا گیا-- وہ چاہتے تھے کہ دوبارہ استحکام آئے اور وہ اسی نظام کے اندر رہتے ہوئے مراعات سے لطف اندوز ہوتے رہیں۔ یہ بات واضح ہے کہ پہلے ہی بیوروکریسی کے اندر ایک دھڑا ایسا تھا جو معیشت میں منڈی کی کسی نہ کسی طرح کی قوت محرکہ متعارف کروانے پر بات چیت کر رہا تھا۔

ماؤ عہد کا خاتمہ

جب ماؤ مر گیا تو ''سرمایہ داری کی راہ پر چلنے والا'' چینی بیوروکریسی کا یہ دھڑا جارحیت پر اتر آیا اور اس نے منڈی اور عالمی منڈی کا مسئلہ اٹھایا۔ حقیقت یہ ہے کہ ڈینگ ژیاؤ پنگ اور دیگر لوگوں کی یہ بات ایک لحاظ سے اہم تھی۔ وہ یہ کہ چین کو عالمی معیشت سے الگ رکھنا ناممکن ہے اور اسے عالمی منڈی میں شامل ہونا چاہیے۔ بنیادی خیال یہی تھا۔ مزدور جمہوریت نہ ہونے کی صورت میں عالمی منڈی بدانتظامی اور عدم کارگزاری پر ایک قدرے ڈھیلے کنٹرول کا کام سرانجام دے سکتی ہے۔

1970ء کی دہائی میں چین کے اندر جو حالات تھے ان میں ایک طرح کی نئی معاشی پالیسی (New Economic Policy) کو خارج از امکان قرار نہیں دیا جا سکتا تھا حتیٰ کہ اگر ایک حقیقی مارکسی پارٹی بھی اقتدار میں ہوتی جیسا کہ بالشویکوں نے 1920ء کے عشرے کے اوائل میں کیا تھا۔ جب تک معیشت کی اہم بنیادیں ریاستی کنٹرول میں ہوں تو منصوبہ بندی سے راہنمائی حاصل کرتے ہوئے ان طریقوں کو ایک الگ تھلگ تنہا مزدور ریاست کے اندر معیشت کو ترقی دینے کیلئے ایک محرک کے طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے۔

لینن اسی طرح چیزوں پر غور کر رہا تھا جب اس نے مغربی سرمایہ داروں کو سائبیریا کے ضمن میں رعائتیں دینے کی پیش کش کی تھی جہاں بہت زیادہ خام مال موجود تھا لیکن معیشت غیر ترقی یافتہ تھی۔ کمزور نوخیز مزدور ریاست کے پاس سائبیریا کو ترقی دینے کے وسائل موجود نہیں تھے۔ یوں ان حالات میں لینن اصرار کر رہا تھا کہ پیداواری قوتوں کو ترقی دینے کیلئے درکار سرمایہ کاری اور ٹیکنالوجی کے حصول کا واحد ذریعہ یہ تھا کہ غیر ملکی سرمائے کو رعائتیں دی جائیں۔ اس کے پیچھے یہ خیال کارفرما تھا کہ وہ سرمایہ داروں کو منافعوں کی ضمانت فراہم کر کے اس علاقے کو ترقی دیں گے' نئے ذرائع پیداوار' تکنیک اور اس طرح کی دوسری چیزیں حاصل کریں گے اور اس سے انقلاب کو فائدہ پہنچے گا۔

1918ء میں اپنی کتاب ''بایاں بازو' طفلانہ پن اور پیٹی بورژوا ذہنیت'' میں لینن نشاندہی کرتا ہے کہ ''ہمارے یعنی پرولتاریہ کی پارٹی کے پاس ٹرسٹوں کی طرز پر بڑے پیمانے کی پیداوار منظم کرنے' جیسا کہ ٹرسٹوں کو منظم کیا جاتا ہے' کی اہلیت حاصل کرنے کا اس کے علاوہ اور کوئی طریقہ نہیں ہے کہ ہم اسے اول درجے کے سرمایہ دارانہ ماہرین سے حاصل کریں۔'' اگلے سال 4 فروری کو اس نے عوامی کمیساروں کی کونسل کے سامنے ایک قرارداد پیش کی جس میں اس نے کہا کہ ''عوامی کمیساروں کی کونسل ملکی پیداواری قوتوں کو ترقی دینے کیلئے عمومی طور پر غیر ملکی سرمائے کو رعائیت دینا اصولی طور پر درست خیال کرتی ہے۔'' بلاشبہ فرق یہ تھا کہ 19-1918ء میں سوویت یونین کا کردار شک وشبہ سے بالاتر تھا۔ یہ ایک صحت مند مزدور ریاست تھی-- یا کم از کم نسبتاً ایک صحت مند مزدور ریاست تھی-- جہاں اس طرح کی رعائتیں مزدور ریاست کو تقویت دینے نہ کہ کمزور کرنے کیلئے استعمال کی جاسکتی تھیں۔

ہمیں یہ بھی یاد رکھنے کی ضرورت ہے کہ بالشویکوں کو اس طرح کے سمجھوتے

عالمی انقلاب میں تاخیر کی وجہ سے کرنا پڑے تھے۔ یہ سمجھوتے اس حد تک قابل قبول تھے جب تک ریاستی طاقت مزدور طبقے کے ہاتھوں میں تھی اور معیشت کے اعلیٰ ترین ادارے ریاستی کنٹرول میں تھے۔ تاہم مسئلہ یہ تھا کہ 1921ء میں غیر ملکی سرمایہ دار روس کے ساتھ معاشی سمجھوتے کرنے کے برعکس اس کو تہس نہس کر دینا چاہتے تھے۔ چینی بیورو کریسی کا مسئلہ کچھ مختلف تھا۔ اس مراعات یافتہ پرت کے ساتھ وہ سمجھوتے کرنے پر آمادہ تھے۔ حتیٰ کہ کٹر رجعتی نکسن کو بھی چینی بیورو کریسی کے ساتھ سمجھوتے کرنے میں کوئی مسئلہ نہیں تھا۔

ماؤ کی موت کے بعد بیورو کریسی کے اندر ملک کو بیرونی سرمایہ کاری کیلئے کھولنے کا خیال تقویت پکڑتا گیا اور اس خیال کا اظہار ڈینگ ژیاؤ پنگ کی شخصیت کے ذریعے ہو رہا تھا۔ اس سے اس بات کی عکاسی ہو رہی تھی کہ بیوروکریسی کا زیادہ تر حصہ اس نتیجے پر پہنچ چکا تھا کہ علیحدگی کی پالیسی ناکامی سے دوچار ہو چکی ہے یعنی چین الگ تھلگ، تنہا رہ کر ترقی نہیں کر سکتا۔

ڈینگ پارٹی کا جنرل سیکرٹری رہ چکا تھا لیکن ثقافتی انقلاب کے دوران اسے قیادت سے ہٹا دیا گیا تھا۔ لیکن جنوری 1974ء میں وہ ایک بار پھر پولٹ بیورو کا رکن بن گیا۔ جب دوبارہ اس سے تمام عہدے چھینے گئے اس وقت ڈینگ نہ صرف وزیراعظم بلکہ پارٹی کا نائب صدر اور سپریم ملٹری سٹاف کا سربراہ بھی رہ چکا تھا۔ اور وہ ماؤ کے بعد چین میں دوسرا اہم ترین آدمی تھا۔ ان تمام انتہائی اعلیٰ عہدوں کے باوجود اسے ایک ''عفریت'' اور ایک رد انقلابی سازشی لیڈر قرار دیا جا رہا تھا جو ''ایک سرمایہ دارانہ پالیسی'' پر کاربند تھا۔ تاہم اہم بات یہ تھی کہ وہ اپنا پارٹی کارڈ اپنے پاس رکھنے میں کامیاب رہا۔ عام طور پر تو یہ ہوتا تھا کہ جب کوئی ''عظیم راہنما'' کا منظور نظر نہیں رہتا تھا اسے پارٹی سے نکال دیا جاتا تھا یا پھر اس کا مقدر اس سے بھی بدتر ہوتا تھا۔ ڈینگ کا انجام یہ نہ ہوا کیونکہ اسے بیوروکریسی کے اندر بڑے

پیمانے پر حمایت حاصل تھی۔ ماضی کی بصیرت سے ہم ایک اندازہ لگانے کا خطرہ مول لے سکتے ہیں۔ وہ یہ کہ بیوروکریسی کی اکثریت--کم ازکم بالائی سطحوں پر-- ڈینگ کی حامی تھی لیکن ماؤ کو جو مقام حاصل تھا اس کے باعث وہ حرکت میں نہیں آ سکتی تھی۔

ماؤ کی موت کے بعد بیوروکریسی کے اندر ڈینگ کی اس وسیع حمایت کی تصدیق ہوگئی۔ ''چار کا ٹولہ'' جس میں ماؤ کی بیوہ بھی شامل تھی' اس خیال کو آگے بڑھا رہا تھا کہ ''ثقافتی انقلاب'' جاری رکھا جائے۔ تاہم بیوروکریسی کے غالب دھڑے کے خیالات بالکل واضح تھے۔ 6 اکتوبر 1976ء کو ''چار کے ٹولے'' کو گرفتار کرلیا گیا اور پھر انہیں کبھی بھی اقتدار نصیب نہ ہوا اور 1978ء میں ڈینگ پارٹی کے لیڈر کی حیثیت سے نمودار ہوا۔

موجودہ صورتحال کی جڑیں اسی عہد میں پیوست ہیں۔ کمیونسٹ پارٹی کے اندر بیرونی سرمایہ کاری کیلئے معیشت کو کھولنے کی بحث کا آغاز 78-1977 میں ہوا۔ ڈینگ کا دھڑا جو کچھ تجویز کر رہا تھا اسے اس نے ''منڈی کا سوشلزم'' کا نام دیا۔ ان کی دلیل یہ تھی کہ ماؤ کے عہد میں معیشت ایک دلدل میں دھنس گئی تھی۔ یہ بات سچ نہیں تھی کیونکہ کئی ایک ہچکولوں کے باوجود 25 سال تک معیشت اچھی خاصی تیزی کے ساتھ ترقی کرتی رہی۔

لیکن سچ بات یہ ہے کہ جوں جوں معیشت میں جدت آتی گئی بیوروکریٹک کمان سسٹم کی حدود و قیود نمایاں ہونے لگیں۔ سوویت یونین کی طرح معیشت کے مختلف شعبوں میں باہمی تعاون کا فقدان تھا جس کے نتیجے میں مختلف شعبوں کے اندر سرمایہ کاری عدم توازن کا شکار ہوگئی اور کچھ اشیاء کی پیداوار ضرورت سے زائد اور کچھ کی ضرورت سے کم ہونی لگی۔ گھپلے' بدعنوانی' وسائل کا ضیاع اور بدنظمی بڑے پیمانے پر پھیل گئی۔ صنعت کی پیداواری صلاحیت گر رہی تھی۔ افراط زر کے رجحانات' اشیائے صرف کی قلت اور سماجی اضطراب کی بہتات تھی۔

اس سے مزدوروں اور کسانوں کی ضروریات پر اثرات مرتب ہونے لگے اور وہ اضطراب کا شکار ہو گئے۔ ان تمام چیزوں کا حل یہ تھا کہ معیشت پر مزدوروں کا حقیقی کنٹرول اور انتظام و انصرام قائم کیا جائے لیکن ایسا ہونے کیلئے ضروری تھا کہ ایک سیاسی انقلاب برپا کیا جائے۔ بیوروکریسی کو اقتدار سے الگ کرنے کی ضرورت تھی۔ لیکن بیوروکریسی نے اقتدار اتنی آسانی کے ساتھ ترک نہیں کر دینا تھا۔ ڈینگ اور بیوروکریسی کے جس دھڑے کی وہ نمائندگی کر رہا تھا اس کا خیال یہ تھا کہ پیداواری قوتوں کی تعمیر کا کام جاری رکھنے اور پیداوار میں اضافے کیلئے منڈی کی قوت محرکہ کی ضرورت ہے۔

اگرچہ مطلق پیداوار کے اعتبار سے چین اور روس برطانیہ جیسے ملکوں سے آگے نکل گئے تھے لیکن محنت کی پیداوار کے حوالے سے وہ دونوں سرمایہ دارانہ ملکوں سے بہت پیچھے رہ گئے تھے۔ روس میں تو بحران پہلے ہی نمایاں ہو چکا تھا جس سے شرح نمو میں اچھی خاصی سست روی پیدا ہو چکی تھی۔ چین کے اندر ڈینگ کے دھڑے کو احساس تھا کہ چینی معیشت میں جدید ترین تکنیک متعارف کروانے کی ضرورت ہے۔ اس کا واحد طریقہ یہ تھا کہ چین کو غیر ملکی سرمایہ کاری کیلئے کھول دیا جائے اور عالمی منڈی میں حصہ داری اختیار کی جائے۔

اگر اقتدار مزدوروں کے پاس ہوتا تو وہ سرمایہ دارانہ بحالی کے رجحانات پر روک لگا سکتے تھے۔ لیکن ریاستی طاقت بیوروکریسی کے ہاتھوں میں تھی اور ان خیالات میں سرمایہ دارانہ ترغیبات متعارف کروانے سے یہ خطرہ حقیقی معنوں میں لاحق تھا کہ آنے والے عہد میں منصوبہ بند معیشت کو مکمل طور پر تباہ و برباد کر دیا جائے گا۔

تاہم اس مسئلے پر ہمیں ایک میکانکی نقطہ نظر اپنانے سے گریز کرنا چاہیے۔ ماضی کی بصیرت کے سہارے یہ کہنا آسان ہے کہ جب سے (1978ء) ڈینگ اقتدار میں آیا تھا تو بیوروکریسی واضح طور پر سرمایہ داری متعارف کروانے کا ارادہ رکھتی تھی۔

لیکن یہ غلط ہوگا۔ بیوروکریسی تجربیت کی بنیاد پر چلتی ہے اور اس کا انحصار کسی بھی مخصوص وقت کی ضرورت پر ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ سٹالنسٹ روس کے اندر بھی ایسے ادوار آئے جہاں منڈی کی طاقتوں کو زیادہ کھلا چھوڑا گیا اور عدم مرکزیت کی گئی اور اس کے بعد نئے سرے سے مرکزیت کے ادوار آئے۔ اس سے بیوروکریسی کی ان کاوشوں کی عکاسی ہو رہی تھی جو وہ معیشت کو چلتا دیکھنے کیلئے کر رہی تھی۔ بیوروکریسی اس حقیقت سے آگاہ تھی کہ اگر انہوں نے ذرائع پیداوار کو ترقی نہ دی تو ان کی مراعات یافتہ حیثیت خطرے سے دوچار ہو جائے گی۔

ڈینگ کا 1978ء کا موڑ

یہ وہ احساس تھا جس سے چین کی کمیونسٹ پارٹی 1970ء کی دہائی کے آخر میں اس نتیجے پر جا پہنچی کہ ملک کو غیر ملکی سرمایہ کاری کیلئے کھولنا ضروری ہو گیا ہے۔ دسمبر 1978ء میں چینی کمیونسٹ پارٹی نے اپنی تیسری دہائی کے مکمل ہونے پر تقریبات کا انعقاد کیا۔ یہاں ایک نئے موڑ کو زیر بحث لایا گیا۔ اگرچہ اس نے کہا کہ مرکزیت پر مبنی منصوبہ بند معیشت کی شکل غالب رہے گی لیکن انہوں نے عدم مرکزیت کے عناصر متعارف کروائے اور نجی فرموں کے قیام کی حوصلہ افزائی کی۔ اس کے پیچھے یہ خیال کارفرما تھا کہ منڈی کی قوتوں کو ایک ایسے ذریعے کے طور پر استعمال کیا جائے جس سے معیشت کی ضروریات کو یقینی طور پر پورا کیا جا سکے۔

اس پر بالآخر ڈینگ نے 1979ء میں یہ تجویز دی کہ ہانگ کانگ اور مکاؤ کے گرد گانگ ڈانگ اور فیوجی آن کے صوبوں میں جنوبی ساحل پر مخصوص اکنامک زون تشکیل دیے جائیں۔ یہ وہ زون تھے جو غیر ملکی سرمایہ کاری کیلئے کھلے تھے۔ ابتداء میں غیر ملکی سرمایہ کاری کی سطح اور طرز پر کافی سخت پابندیاں تھیں۔ اس سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے جو کچھ ہم کہہ چکے ہیں۔ وہ یہ کہ ڈینگ بھی ان اقدامات کو

پیداواری قوتوں میں جدت لانے کا ذریعہ خیال کر رہا تھا جبکہ وہ مرکزیت پر مبنی منصوبہ بند اور ریاستی کنٹرول کی حامل معیشت کو برقرار رکھنا چاہتا تھا۔ابتداء میں وہ خاصے محتاط تھے اور محض محدود رعائتیں دے رہے تھے۔

تاہم ٹھیک انہی پابندیوں کی وجہ سے یہ چار خصوصی زون فوری طور پر وہ کامیابی حاصل نہ کر پائے جس کی توقع کی جا رہی تھی۔اسی وجہ سے 1983ء میں یہ پابندیاں اٹھالی گئیں۔مثال کے طور پر اس کے بعد مکمل طور پر غیر ملکیوں کی ملکیت میں چلنے والی کمپنیوں کو کام کرنے کی اجازت دی گئی یہاں ہمیں بیوروکریسی کی تجربیت دیکھنے کو ملتی ہے۔کوئی طے شدہ ''منصوبہ'' نہیں تھا۔لیکن جب ایک بار بیوروکریسی اس راہ پر چل نکلی تو پھر خود اس کی اپنی ہی منطق تشکیل پانے لگی۔بیوروکریسی نے محسوس کیا کہ منڈی کی قوتوں کو لگام دینا ان کیلئے زیادہ سے زیادہ دشوار ہوتا جا رہا ہے۔اگر وہ یہ چاہتے تھے کہ سرمایہ دار سرمایہ کاری کریں تو پھر ان کیلئے سازگار حالات پیدا کرنے ضروری تھے۔

جب یہ مخصوص زون تشکیل دیے جا رہے تھے تو زراعت کے شعبے میں ایک متوازی عمل جاری تھا۔زمین کے پرانے اجتماعی نظام میں اکھاڑ پچھاڑ کی گئی اور نجی پیداوار کی منطق متعارف کروائی گئی۔یہ کام خاندانوں کو زمین ''پٹے پر دے کر'' کیا گیا۔قانونی اعتبار سے زمین ریاستی ملکیت رہی--اور آج تک ہے--لیکن عملاً یہ نجی ملکیت کی شکل اختیار کر گئی۔مثلاً پٹے پر لی گئی زمین آدمی اپنی آئندہ نسل کو منتقل کر سکتا تھا۔اس تبدیلی سے اس صورتحال نے جنم لیا جہاں 1980ء کے عشرے کے آخر میں پٹے پر لی گئی زمین فروخت کی جا سکتی تھی یا وراثت میں چھوڑی جا سکتی تھی۔

اس سے کسانوں کے اندر تفریق نے جنم لیا جس سے کچھ امیر ہوتے گئے جبکہ دوسرے اپنی روزی روٹی سے محروم ہو گئے اور وہ شہروں کی طرف ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے۔ایک طرف زمین کی پیداواریت میں اضافہ ہونے لگا جبکہ دوسری طرف

بہت بڑی پرتیں غربت کی نذر ہوگئیں۔اس سے شہروں کی طرف سستی محنت کا وہ بہاؤ شروع ہوگیا جس نے وہاں سرمایہ داری کی ترقی کی بنیاد فراہم کی۔

یہ اسی طرح کا عمل تھا جو 1861ء میں روس کے اندر پرانے زرعی کمیون 'میر' کو تحلیل کرنے کے بعد ہوا تھا۔ جب کمیون ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوگئے تو کسان شہروں کی طرف جانے لگے اور یوں انہوں نے 1880ء اور 1912ء کے درمیان کے عرصے میں سرمایہ داری کی ترقی کیلئے درکار افرادی قوت فراہم کی۔لیکن اس وقت کے روس کی نسبت چین میں یہ عمل آج کل بہت بڑے پیمانے پر ہو رہا ہے۔اس کا مقابلہ برطانوی سرمایہ داری کے ابتدائی دنوں کے ساتھ بھی کیا جا سکتا ہے جب کسانوں کو بے رحمی کے ساتھ زمینیں چھوڑنے پر مجبور کر دیا گیا اور انہیں انتہائی ظالمانہ حالات میں شہروں کی طرف جانے اور وہاں رہنے پر مجبور ہونا پڑا تھا۔حتیٰ کہ اس کا مقابلہ امریکہ میں سرمایہ داری کی وسعت کے وقت وائلڈ ویسٹ کے دور کے ساتھ بھی کیا جا سکتا ہے۔چین میں اس وقت جو مظہر ہمارے سامنے ہے اس میں دراصل ان تمام تاریخی مثالوں کے عناصر موجود ہیں۔تاہم اپنے دائرۂ اثر اور رفتار کے حوالے سے یہ عمل اپنی مثال آپ ہے۔

غیر ملکی سرمایہ کاری کو اپنی طرف مائل کرنے کیلئے چین کی حکومت نے جو اولین اقدامات کئے ان میں سے ایک ''مزدوروں کی منڈی'' کی تخلیق تھا۔اس مقصد کی خاطر انہوں نے اصلاحات کا ایک پورا سلسلہ متعارف کروایا جن سے مخصوص ریاستی صنعتوں کے مینیجروں کو یہ اختیار ملا کہ وہ نام نہاد ''عمر بھر کے'' روزگار کا خاتمہ کر دیں۔یہ خیال متعارف کروایا گیا کہ مزدوروں کو برطرف کیا جا سکتا ہے۔

چند سال بعد 1983ء میں ریاست مزید ایک قدم آگے بڑھی۔اب ریاستی صنعتی ادارے ٹھیکے کی بنیاد پر محدود وقت کیلئے مزدوروں کی خدمات حاصل کر سکتے تھے۔اس نئے نظام کا مطلب یہ تھا کہ جن نئے مزدوروں کی خدمات حاصل کی جائیں

گی انہیں ویلفیئر کی وہ مراعات حاصل نہیں ہوں گی جو سابقہ ریاستی مزدوروں کو حاصل تھیں۔ 1987ء تک ریاستی فرموں میں 75 لاکھ مزدوروں کو ٹھیکے کی بنیاد پر ملازمت دی جا چکی تھی اور مزید 60 لاکھ کی زندگی بھر کی ملازمت کی حیثیت کو بدل کر ٹھیکے (contract) پر کر دیا گیا تھا۔

اس عرصے میں نجی شعبے کی ورک فورس میں اضافہ ہونے لگا۔ 1979ء میں یہ تعداد تقریباً ڈھائی لاکھ تھی۔ 1984ء میں یہ بڑھ کر 34 لاکھ ہوگئی وہ بھی زیادہ تر انتہائی چھوٹے صنعتی اداروں میں۔ ابتداء میں نجی فرموں میں ملازمین کی تعداد رکھنے کی ایک حد مقرر تھی لیکن 1987ء میں اس کا خاتمہ کر دیا گیا۔ اس کے اوپر ڈھکے چھپے انداز میں ایک طرح کی نجی صنعت کو نام نہاد ''شہری اجتماعی صنعتوں'' یا ٹاؤن اینڈ ویلج انٹر پرائزز (ٹی وی ایز) کی شکل میں پروان چڑھنے کی اجازت دی گئی ان کا کنٹرول مقامی شہری حکومتوں کے پاس تھا اور ان کا انحصار بھی انہی پر تھا لیکن یہ ''منافع کی طرف مائل'' تھیں یعنی یہ سرمایہ دارانہ صنعتی اداروں کی طرح کام کر رہے تھے۔ (ہم ٹی وی ایز کی پیش رفت پر بعد میں بات کریں گے)۔

ان تمام تر پیش رفتوں کے باوجود اس تمام تر عرصے میں ریاستی شعبے کو غلبہ حاصل رہا اور مجموعی معاشی عمل کی لگام اسی کے ہاتھ میں تھی۔ 1980ء کے عشرے کے وسط تک بھی ریاستی شعبے میں شہری ورک فورس کا تقریباً 70% کام کر رہا تھا۔ تاہم ان مزدوروں کی حیثیت بدل رہی تھی۔ ان کی بہت بھاری تعداد محدود مدت کے ٹھیکے پر کام کر رہی تھی۔

ریاستی کنٹرول میں کام کرنے والی کمپنیوں کی بندش سے بیروزگاری کے مظہر نے جنم لیا جسے پہلے کوئی جانتا تک بھی نہیں تھا۔ جیسے ہی منڈی کی اصلاحات متعارف کروائی گئیں افراط زر میں اضافہ ہونے لگا جس سے سماجی اضطراب جنم لینے لگا۔ اس کے سیاسی اثرات سے خوفزدہ ہو کر حکومت نے 1981ء میں اس عمل کو آہستہ کر دیا۔

یہ وہ چیز تھی جسے اس عمل کے دوران آنے والے ہر بحران کے موقع پر دہرایا گیا۔ لیکن ہر بار، جیسا کہ ہم دیکھیں گے، ابتدائی سست روی اور صورتحال میں دوبارہ استحکام پیدا ہونے کے بعد بیوروکریسی پھر سے اس عمل کو تیزی کے ساتھ آگے بڑھاتی تھی۔ اس نے کبھی بھی پیچھے کی طرف کوئی قدم نہیں اٹھایا۔

1982ء میں پارٹی نے سرکاری طور پر اعلان کیا تھا کہ ریاستی شعبے کو اب بھی غلبہ حاصل ہے۔ اس مرحلے پر بھی ہمیں مسخ شدہ مزدور ریاست میں ایک بیوروکریسی کی حکومت نظر آتی ہے جو مجموعی معیشت کو ترقی دینے کیلئے سرمایہ دارانہ طریقہ ہائے کار استعمال کر رہی تھی۔ تاہم 1984ء میں وہ ایک بار پھر سرمایہ دارانہ طرز کی ترقی کی خاطر زیادہ آزادی کے لئے متحرک ہو گئے۔ نجی پیداوار اور منڈی پر زیادہ سے زیادہ زور دیا جانے لگا۔ زیادہ تر اشیائے صرف اور زرعی اجناس کی قیمتوں کو کھلا چھوڑ دیا گیا۔ اب منڈی وہ جگہ تھی جہاں قیمتوں کی سطح کا تعین ہونا تھا۔

اسی سال پارٹی کی جب بارہویں کانگریس منعقد کی گئی تو اس میں ''منصوبہ بندی اور اجناس پر مبنی معیشت'' کے خیال کو متعارف کروایا گیا۔ منصوبہ بند معیشت اور سرمایہ داری کے درمیان جو تضادات شروع ہو چکے تھے ان کا اظہار ہمیں حکومت کی طرف سے استعمال کی جانے والی اصطلاحات میں بھی دیکھنے کو ملتا ہے۔ مخصوص معاشی زونوں کے زیر اثر علاقوں کو وسعت دی گئی اور ساحل کے ساتھ مزید 14 شہروں کو ان میں شامل کر دیا گیا۔ ایک سال بعد دریائے پرل کے ڈیلٹا، درمیان من کا ڈیلٹا اور دریائے ژانگتزی (Yangtze) کے ڈیلٹا کا علاقہ بھی ان علاقوں میں شامل کر دیا گیا۔ بنیادی طور پر طویل ساحل سمندر پر واقع چین کے تمام تر علاقے کو غیر ملکی سرمایہ کاری کیلئے کھول دیا گیا۔

1986ء میں اس عمل میں تیزی جاری رہی جب کچھ نئے اقدامات اٹھائے گئے جن سے غیر ملکی سرمایہ کاری کیلئے مزید سہولت پیدا ہو گئی۔ ان اقدامات میں

ٹیکسوں کی شرح میں کمی' ملازمین کو نوکری پر رکھنے اور نکالنے کے قوانین میں مزید آزادی اور غیر ملکی زرمبادلہ تک آسان رسائی شامل تھی۔ اس عمل کے تحت انہوں نے کئی ایک تبدیلیاں متعارف کروائیں۔ ان تبدیلیوں میں برابری کی سطح پر اجرت کا خاتمہ' عمر بھر کے روزگار کا خاتمہ' پیداوار سے اجرت کا منسلک کیا جانا اور چھوٹی مدت کے ٹھیکے کے تحت نوکری دیا جانا شامل تھے-- یہ تمام وہ اقدامات ہیں جن سے مغربی ممالک کے مزدور بخوبی واقف ہیں۔

1987ء میں پارٹی کی تیرہویں کانگریس میں ''برآمدات کی طرف مائل معیشت'' کو رائج کرنے کیلئے مزید تجاویز دی گئیں۔ صنعتی صلاحیت میں نمو کا تقاضا تھا کہ مشینری اور دیگر اشیاء درآمد کی جائیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ 1980ء کی دہائی کے وسط میں چین کے تجارتی خسارے میں بہت تیزی کے ساتھ اضافہ ہوا۔ اس کے ساتھ ہی افراط زر کا دباؤ دھماکہ خیز شکل اختیار کر گیا۔ 1988ء اور 1989ء کے دوسالوں میں افراط زر کی سالانہ شرح 18% تھی۔ اس سے محنت کش طبقے کے خاندانوں کی حقیقی قوت خرید بری طرح متاثر ہو رہی تھی۔

اس کیفیت سے جس سماجی اضطراب نے جنم لیا اس سے حکومت کو مجبوراً اس عمل کو آہستہ کرنا پڑا۔ دباؤ کے پیش نظر 1988ء کے آخر میں حکومت نے نام نہاد ''اصلاحات'' کو روک دیا۔ اور افراط زر کو قابو میں رکھنے کیلئے اس نے زر کی سپلائی کو سخت کر دیا۔ اس سے چین کی معیشت میں ایک نیا مظہر سامنے آیا۔ یہ 1989ء کی کساد بازاری تھی۔ ان تمام چیزوں کے نتیجے میں سماجی اضطراب میں اضافہ ہو گیا اور ہڑتالوں کی ایک لہر امنڈ آئی۔ یہ وہ پیش منظر تھا جس میں بیجنگ کے اندر تیانامین سکوائر کے گرد احتجاجی تحریک چلی۔ تیانامین سکوائر کی تحریک کس چیز کی غمازی کر رہی تھی؟ یہ بات واضح ہے کہ 1989ء میں سیاسی انقلاب کے عناصر موجود تھے۔ یہ بات شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ بہت بڑی تعداد میں طلباء سڑکوں پر نکل آئے۔ نوجوان انٹرنیشنل گا

رہے تھے جیسا کہ وہ حکومت اور عالمی رائے عامہ کو کہہ رہے ہوں ''دیکھو ہم سرمایہ داری کے حق میں نہیں ہیں ہم ردانقلابی نہیں ہیں۔''

لیکن جس چیز کا آغاز طلباء اور نوجوانوں سے ہوا وہ مزدوروں تک پھیلنے لگی۔ اس سے حکومت خوفزدہ ہوگئی اور سٹالنسٹ دھڑا اس بات پر قائل ہوگیا کہ تحریک کو خون میں ڈبو دیا جائے۔ اس وحشیانہ تشدد کے ذریعے حکومت اس بات کو یقینی بنا رہی تھی کہ سماج پر اس کی گرفت برقرار رہے۔ یہ سوال پوچھا جا سکتا ہے کہ سرمایہ دارانہ بحالی کا فیصلہ کن موڑ کب آیا؟ چونکہ ہم ایک ایسے عمل پر بحث کر رہے ہیں جس کا آغاز تقریباً 30 سال قبل ہوا تھا اس لئے اس طرح کے کسی لمحے کا تعین کرنا ممکن نہیں ہے۔ لیکن ایسے واقعات ہوئے ہیں جن سے اس عمل میں تیز رفتاری آئی ہے۔ یوں اس ضمن میں فیصلہ کن مراحل کا ایک پورا تسلسل ہے اور تیانامین کا واقعہ ان میں سے ایک ہے۔

تیانامین کے احتجاج کو کچلنے کے بعد طاقت کا توازن دائیں طرف مڑ گیا۔ اس تحریک نے مزدوروں اور نوجوانوں کی امیدوں کو جلا بخشی لیکن عوام شکست سے دوچار ہوگئے۔ تیانامین کے واقعے کے بعد حکومت نے تمام کلیدی لیڈروں کا پیچھا کیا اور ان میں سے کئی ایک یا تو غائب ہوگئے یا پھر کئی سال جیل میں رہے۔ اس کے ساتھ ہی بیوروکریسی نے وقتی طور پر منڈی کی اصلاحات کے عمل کو آہستہ کر دیا تاکہ صورتحال کو دوبارہ استحکام دیا جا سکے۔ جب اس کا اپنے اوپر اعتماد بحال ہوگیا تو سرمایہ داری کی حامی تحریک میں شدت آ گئی۔

اسی دوران ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اس وقت مشرقی یورپ اور سوویت یونین میں کیا ہو رہا تھا۔ 1989ء میں مشرقی یورپ کی تمام سٹالنسٹ ریاستیں یکے بعد دیگر منہدم ہوتی گئیں۔ صورتحال پر بیوروکریسی کا کنٹرول قائم نہ رہ سکا اور سرمایہ داری کی طرف سفر کے دور کا آغاز ہوگیا۔ کچھ وقت تک سوویت یونین نے مزاحمت

کی لیکن بالآخر یہ بھی اس عمل کا شکار ہو گیا اور 1991ء میں سابقہ سٹالنسٹ حکومت انہدام کا شکار ہو گئی۔ جیسا کہ ہم پہلے ہی نشاندہی کر چکے ہیں' یہ ریاستیں اتنی بوسیدہ ہو چکی تھیں کہ وہ بیوروکریسی کی طرف سے کسی قسم کی مزاحمت کے بغیر ہی گر گئیں۔ روس کے اندر خانہ جنگی کا حقیقی خطرہ موجود تھا لیکن سخت گیر سٹالنسٹ دھڑا اتنا دیوالیہ ثابت ہوا کہ وہ کوئی سنجیدہ مزاحمت پیش کرنے سے قاصر رہا۔ جس نظام کی وہ نمائندگی کر رہے تھے وہ اپنی انتہا کو پہنچ چکا تھا۔

یقیناً ان واقعات کے چین کے سٹالنسٹوں پر اثرات مرتب ہوئے۔ اس وقت تک وہ منڈی کی اصلاحات متعارف کراتے چلے آئے تھے اور چین کے تمام تر علاقوں کو سرمایہ دارانہ سرمایہ کاری کیلئے کھول رہے تھے۔ لیکن ریاستی شعبہ اب بھی معیشت کا حاوی حصہ تھا-- اور پارٹی کا موقف یہ تھا کہ اسے ایسا ہی ہونا چاہیے۔ معاشی کنٹرول کی کنجی اب بھی بیوروکریسی کے ہاتھوں میں تھی۔ اس عمل کو اب بھی الٹا جا سکتا تھا۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ انہیں اسے الٹنے سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ جیسا کہ ہم پہلے ہی کہہ چکے ہیں کہ انہوں نے کبھی بھی پیچھے کی طرف کوئی قدم نہیں اٹھایا۔ جب کبھی انہیں عدم استحکام کا سامنا کرنا پڑا انہوں نے اس عمل کی رفتار کو کم کر دیا لیکن انہوں نے کبھی بھی واپسی کا رخ نہ کیا۔

1992ء ''چینی خدوخال کے ساتھ سوشلسٹ منڈی کی معیشت''

تیانامین کے احتجاج اور مشرقی یورپ اور سوویت یونین میں سٹالنزم کے انہدام کے چین کی بیوروکریسی پر بہت گہرے اثرات مرتب ہوئے۔ ان واقعات کے بعد کمیونسٹ پارٹی کی قیادت نے ''منڈی کی اصلاحات'' میں تیزی لانے کا فیصلہ کیا۔ انہوں نے یہ محسوس کرنا شروع کر دیا کہ ان کے بحران کا حل سرمایہ دارانہ بحالی میں ہے لیکن انہوں نے طے کر رکھا تھا کہ یہ سارا عمل بیوروکریسی کے کڑے کنٹرول

میں ہوگا۔ دراصل اس کا مطلب یہ تھا کہ بیوروکریسی اپنے آپ کو ایک نیا سرمایہ دار طبقہ بنانے کیلئے زمین ہموار کر رہی تھی۔

اس حقیقت کا کہ بیوروکریسی سرمایہ دارانہ بحالی کی طرف بڑھ رہی تھی مطلب یہ نہیں تھا کہ وہ ناگزیر طور پر اس عمل کو پایہ تکمیل تک پہنچا دے گی۔ کسی ارادے کا اظہار کرنا ایک بات ہوتی ہے اور اس کا حصول بالکل دوسری۔ اگر مغربی سرمایہ دارانہ ملکوں کے اندر 1929ء کی کساد بازاری کی طرز پر ایک سنجیدہ بحران آتا تو چیزیں ایک مختلف شکل اختیار کر سکتی تھیں۔ لیکن یقیناً ایسا نہ ہوا۔ مغرب کے اندر عروج کئی ایک وجوہات کی بنا پر جاری رہا جن پر ہم نے دیگر دستاویزات میں بحث کی ہے۔ اس سے محض نئے تضادات کے انبار لگ گئے ہیں جو مستقبل میں اس سے بڑے بحران کا پیش خیمہ ثابت ہوں گے۔ لیکن چین کی بیوروکریسی یہ بات سمجھنے سے قاصر ہے۔ وہ ان عوامل کو مارکسی بنیادوں پر سمجھنے سے قاصر ہے بلکہ وہ تجربے کی بنیاد پر واقعات پر اپنے ردعمل کا اظہار کرتی ہے۔ عالمی سطح پر سرمایہ داری میں ابھار تھا اور سٹالنزم انہدام کا شکار تھا اور وہ بس یہی کچھ دیکھ سکتے تھے۔

ان تمام واقعات سے بیوروکریسی نے جو نتائج اخذ کیے ان کا واضح اظہار 1992ء میں ہوا۔ اس سال پارٹی کی چودھویں کانگریس کا انعقاد ہوا، اور سرکاری طور پر انہوں نے یہ خیال ترک کر دیا کہ ریاستی شعبے کا غلبہ ہونا چاہیے۔ انہوں نے ایک منصوبے کا اعلان کیا جس کے تحت نام نہاد ''چینی خدوخال والی سوشلسٹ منڈی کی معیشت'' قائم کی جانی تھی۔ اسی سال ڈینگ نے ''اصلاحات کے پروگرام'' میں، جیسا کہ وہ اسے گردانتے تھے ایک نئے مرحلے کا آغاز کیا۔ وہ شین زن کے مخصوص زون کے دورے پر گیا اور ایک مشہور اعلان کیا ''جب تک یہ آمدن کا باعث ہے یہ چین کیلئے اچھا ہے۔'' یہ حکومت کے اندر ایک اور فیصلہ کن موڑ تھا۔

چین میں منڈی کا میکانزم پہلے ہی کچھ عرصے سے کام کر رہا تھا۔ 1992ء کی

اہم بات یہ ہے کہ اس سال پارٹی نے سرکاری طور پر ریاستی ملکیت میں چلنے والی صنعتوں کو معیشت کا غالب حصہ رکھنے سے اپنی وابستگی کو ترک کر دیا۔ یوں انہوں نے ریاستی شعبے کو سکیڑنے کا فیصلہ کیا۔ اس سے پہلے یہ ہوتا آیا تھا کہ نجی شعبہ ریاستی شعبے سے باہر باہر ترقی کر رہا تھا۔ اب انہوں نے ریاستی ملکیت میں چلنے والی صنعتوں کی نجکاری کا فیصلہ کیا۔ انہوں نے اس مقصد کیلئے مقامی سطح پر ریاستی ملکیت میں چلنے والی 2500 صنعتوں اور مرکزی سطح پر کام کرنے والی 100 کمپنیوں کا انتخاب کیا۔ 1998ء تک یہ عمل مکمل ہو گیا۔

1994ء میں انہوں نے اس پروگرام میں وسعت پیدا کی اور کہا کہ وہ ریاستی ملکیت والے 1000 بڑے صنعتی اداروں پر اپنا کنٹرول رکھیں گے جبکہ باقی ماندہ تمام ریاستی فرمیں لیز پر پرائیویٹ ہاتھوں میں فروخت کر دی جائیں گی۔ 1990ء کے عشرے کے اختتام پر ریاستی ملکیت والی صنعتوں میں 8 کروڑ 30 لاکھ مزدور کام کر رہے تھے لیکن یہ تعداد برسر روزگار کل لوگوں کی تعداد کا محض 12 فیصد تھی اور حتیٰ کہ شہری علاقوں میں بھی یہ تعداد کل کا محض ایک تہائی تھی۔ ہم دیکھتے ہیں 1978ء کے بعد سے ایک بڑی تبدیلی وقوع پذیر ہو چکی تھی۔ اس وقت شہروں میں برسر روزگار افراد کا 78% ریاستی شعبے میں کام کر رہا تھا۔

1990ء کی دہائی کے اختتام پر ریاستی کمپنیوں کا جی ڈی پی میں حصہ کم ہو کر 38% رہ گیا تھا۔ ستمبر 1999ء میں پارٹی کی پندرہویں کانگریس میں انہوں نے ایک اور قدم اٹھایا۔ انہوں نے اسے ''جانے دو کی پالیسی'' کا موقف قرار دیا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ حکومت ڈھیل دیتی جائے گی اور اپنا کنٹرول ترک کرتی جائے گی۔ انہوں نے درمیانے اور چھوٹے ریاستی اداروں میں ڈھیل دینا شروع کی۔ مثال کے طور پر جولائی 2000ء میں بیجنگ کی شہری حکومت نے جو بہت بڑے علاقے پر محیط ہے یہ اعلان کیا کہ تین سالوں کے اندر تمام چھوٹے اور درمیانے ریاستی

اداروں پر سے اجتماعی ملکیت مرحلہ وار ختم کر دی جائے گی۔ 2001ء میں ریاستی صنعتوں میں مینوفیکچرنگ محض 15% تھی اور داخلی تجارت کے شعبے میں 10% سے بھی کم تھی۔

چین جنوب مشرقی ایشیا میں ہونے والی سٹاک ایکسچینج کی تباہی سے کسی حد تک اس لئے بچ گیا تھا کیونکہ غیر ملکی تجارت پر اب بھی اچھا خاصا ریاستی کنٹرول موجود تھا اور کرنسی غیر تغیر پذیر تھی۔ ان دو چیزوں نے اس بحران میں چین کو تحفظ فراہم کیا۔ درحقیقت اس بحران کے بعد چین زیادہ طاقتور ہو کر ابھرا اور علاقے کے اندر اس نے زیادہ غالب کردار ادا کرنا شروع کر دیا۔ اس کے بعد اس دور میں جو تقریباً 1998ء سے 2001ء تک محیط ہے اس عمل میں مزید تیزی آ گئی۔ اب اس عمل کی سمت بالکل واضح تھی۔ کمیونسٹ پارٹی کی حکمران پرت مکمل طور پر اس بات پر قائل تھی کہ ریاستی فرموں کی نسبت نجی فرموں کی کارگزاری زیادہ بہتر ہے۔ ان کے ہاں ریاستی صنعتوں کا واحد تصور ان صنعتوں کا تھا جو بیوروکریٹک منصوبہ بندی کے تحت چل رہی تھیں اور جو ہر طرح کی بدانتظامی کا شکار تھیں۔ ان کیلئے مزدوروں کے کنٹرول میں چلنے والی اچھی کارگزاری کی حامل ریاستی صنعتوں کا تصور محال تھا۔

ایک دستاویز جس کا نام ''چین میں ملکیت کی تبدیلی'' ہے اور جو 2005ء میں شائع ہوئی اس میں کچھ دلچسپ اعداد و شمار دیے گئے ہیں۔ یہ کتاب روزگارنٹ، لیگنگ سانگ، سٹوئن ٹی نیف اور یانگ یاؤ نے لکھی ہے۔ جن کا تعلق انٹرنیشنل فنانس کارپوریشن، آسٹریلین نیشنل یونیورسٹی، چائنا سینٹر فار اکنامک ریسرچ اور پیکنگ یونیورسٹی سے ہے۔ اس دستاویز کو انٹرنیشنل فنانس کارپوریشن نے شائع کیا جو عالمی بینک کی ایک شاخ ہے۔

مصنفین نے اس بات پر زور دیا کہ حقیقی معنوں میں نجکاری کا آغاز 1992ء میں ہوا۔ 1995ء کا حوالہ دیتے ہوئے اس دستاویز میں بتایا گیا ہے ''ریاست

نے 500 سے 1000 بڑی ریاستی فرمیں اپنے پاس رکھنے کا اور چھوٹی فرموں کو لیز پر دینے یا بیچنے کا فیصلہ کیا'' اس میں وضاحت کی گئی ہے کہ ایسا کرنے کی معقول وجہ تھی کیونکہ 1997ء میں سب سے بڑی 500 فرموں میں -- جن میں سے زیادہ تر مرکزی حکومت کے کنٹرول میں تھیں -- ریاست کے صنعتی اثاثوں کا 37% حصہ تھا۔ وہ آمدن اور اس طرح کی دیگر چیزوں کا بہت بڑا ذریعہ تھیں۔

یہ دستاویز اس عہد کا حوالہ دیتے ہوئے جس میں وہ اس عمل کو پھیلا رہے تھے وضاحت کرتی ہے کہ ''یہ رجحان اس یقین کا اظہار کر رہا تھا کہ کسی صنعت میں حقیقی تبدیلی لانے کیلئے یہ ضروری ہے کہ حصص کا اکثریتی حصہ انتظامیہ کے پاس ہو'' اور اب چین میں یہ نعرہ بن گیا ''ریاست پسپا ہو رہی ہے اور نجی شعبہ آگے بڑھ رہا ہے'' انہوں نے یہ پیغام عوام تک پہنچانے کیلئے یہ نعرہ اختراع کیا۔

ایسے بے شمار اعداد و شمار ہیں جو اس عمل کے خدوخال اور اس کی بڑھتی ہوئی رفتار کا خاکہ پیش کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر دستاویز میں وضاحت کی گئی ہے کہ ''(چھ مثالی شہروں کے حوالے سے) اگر یہ کارگزاری باقی ماندہ ملک کیلئے مثالی نمونہ پیش کرتی ہے تو پھر چین کے اندر نج کاری پہلے ہی مشرقی یورپ کے کئی ایک ملکوں اور سابقہ سوویت یونین سے کہیں آگے جا چکی ہے۔''

تاہم یہ ایک سیدھا سادا عمل نہیں ہے جس میں محض ہر چیز کو بیچا جا رہا ہے۔ سوال محض یہ نہیں ہے کہ ریاستی اور نجی ملکیت کے فیصدی حصوں کو دیکھا جائے (اگرچہ آخری تجزیے میں یہ ایک فیصلہ کن عنصر ہے) سوال محض یہ نہیں ہے کہ ریاست کا ملکیت میں کتنا حصہ ہے بلکہ سوال یہ بھی ہے کہ ریاستی ملکیت میں چلنے والا شعبہ کس طرح کام کر رہا ہے اور اس کا مقصد کیا ہے۔ یہ بھی ضروری ہے کہ اس عمل کی مجموعی سمت کا مشاہدہ کیا جائے اور یہ سمت بہت بڑی حد تک سرمایہ داری کی طرف رہی ہے۔

تاہم سرمایہ داری کی طرف عبور کے عمل میں وہ ابھی تک اس اہلیت کی مالک بورژوازی کو ترقی نہیں دے سکے ہیں جو ریاستی امداد کے بغیر اور جاپانی اور امریکی ملٹی نیشنل کمپنیوں کی طرز پر بڑے پیمانے کی کارپوریشنوں کو چلا سکے۔ کچھ عرصے تک ریاست ایک کلیدی کردار ادا کرے گی لیکن بالآخر ایک طاقتور بورژوازی ابھر کے سامنے آئے گی۔

بیوروکریسی ابھی تک زیادہ تر چھوٹے اور درمیانے پیمانے کی کمپنیاں فروخت کرتی رہی ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ نجی کمپنیوں کی ترقی کی حوصلہ افزائی کرتی آئی ہے جو کبھی بھی ریاستی ملکیت میں نہیں رہی ہیں۔ اس وقت دنیا کی سب سے بڑی 500 ملٹی نیشنل کمپنیوں میں سے 450 چین کے اندر کام کر رہی ہیں۔ اس مساوات میں اتنے اہم عنصر کا داخل ہونا اس حقیقت کی غمازی کرتا ہے کہ ریاستی شعبے کا جو حصہ باقی بچا ہے اگر ہم اس پر نظر دوڑائیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ اس کی بھی نجکاری کی تیاری ہو رہی ہے۔ بڑی دیوہیکل ریاستی صنعتوں کو چھوٹی چھوٹی کمپنیوں کی شکل میں توڑا جا رہا ہے جبکہ بیکار شعبوں کو بند کیا جا رہا ہے اور زیادہ منافع بخش شعبوں کو بیچا جا رہا ہے۔

ریاستی کمپنیوں کے مینیجر بڑے انہماک کے ساتھ اثاثہ جات کی کانٹ چھانٹ میں مصروف ہیں۔ نجی شعبے میں ان کے دوست موجود ہیں اور وہ انہیں بہترین قسم کی مشینیں اور پرزہ جات وغیرہ دیتے ہیں جبکہ وہ کمپنی کی مرمت نہیں کرتے اور اسے زوال پذیر کر دیتے ہیں۔ ان مینیجروں کے احساسات یہ ہیں کہ ''جلد یا بدیر اس فیکٹری کی نجکاری کر دی جائے گی اور مجھے اس کی پیش کش کی جائے گی۔'' یوں خیال یہ ہوتا ہے کہ کمپنی کی حالت اتنی خستہ کر دی جائے کہ اس کی قیمت کم از کم لگے اور اس کو سستے داموں خریدا جا سکے۔ کئی ایک چھوٹے شہروں میں مقامی ٹاؤن کونسلیں اس فیصلے پر پہنچتی ہیں کہ کسی کمپنی کو چالو رکھنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ اسے سستے داموں مینیجروں

کے ہاتھ فروخت کر دیا جائے تا کہ اثاثہ جات کی کانٹ چھانٹ ختم ہو۔ اس کے پیچھے یہ خیال کارفرما ہوتا ہے کہ جب مینیجر مالک بن جائیں گے تو وہ اثاثہ جات کو کمپنی کی ترقی کیلئے استعمال کریں گے کیونکہ اس سے انہیں منافع حاصل ہوگا۔

اس سارے عمل کی مزدوروں کو بھاری قیمت چکانا پڑی ہے جس میں لاکھوں مزدور نوکریوں سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔ 1990ء سے 2000ء کے درمیان ریاستی شعبے میں 3 کروڑ ملازمتیں تباہ و برباد کر کے رکھ دی گئیں۔ شمال مشرقی علاقے جو چین کے سابقہ ریاستی منصوبے کا گڑھ تھے' ان روایتی صنعتی علاقوں میں ایک نام نہاد ''زنگ کی پٹی'' (Rust Belt) نمودار ہوئی۔ جو لوگ آج بھی ملازمتوں پر ہیں ان کی تمام تر طویل المیعاد مراعات برباد ہوگئی ہیں۔ گزشتہ کئی سالوں کے دوران 1949ء کے انقلاب کی حاصلات رفتہ رفتہ چھین لی گئی ہیں۔ اس کے جواب میں مزدوروں کی طرف سے مزاحمت بھی ہوئی ہے لیکن بیوروکریسی بے رحمی کے ساتھ آگے ہی بڑھتی چلی گئی ہے۔

انہوں نے صحت' رہائش اور لیبر کے شعبوں میں آزاد منڈی کی اصلاحات متعارف کروائی ہیں۔ حتیٰ کہ اب تعلیم کیلئے بھی پیسے دینے پڑتے ہیں۔ 1990ء کی دہائی کے آغاز ہی میں مضبوط سرمایہ دارانہ عناصر موجود تھے۔ 1992ء میں سیل (Sales) کا 40% نجی شعبے کے پاس تھا۔ 1991ء میں ایک کروڑ تیس لاکھ نجی صنعتکار تھے جن کے ہاں 2 کروڑ 10 لاکھ مزدور کام کر رہے تھے-- یہ زیادہ تر چھوٹے کاروبار تھے--لیکن یہ محض ایک آغاز تھا۔ دیہات میں انہوں نے امیر کسانوں کو مراعات دینے کا عمل شروع کیا۔ زمین کو لیز پر دینے اور پیداواری اشیاء کی منڈی میں فروخت کی اجازت دینے سے اجتماعی زرعی کمیون ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو گئے اور اس سے امیر اور غریب کسانوں کے درمیان تفریق مزید بڑھ گئی۔ 1998 میں 2لاکھ 38 ہزار ریاستی کنٹرول میں چلنے والے صنعتی ادارے موجود تھے لیکن 2003ء میں یہ تعداد کم ہو کر ایک لاکھ 50 ہزار رہ گئی۔

قصبوں اور دیہاتوں کی صنعتیں (ٹی وی ایز)

جیسا کہ ہم نے مختصراً ذکر کیا تھا کہ سرمایہ داری کی ترویج میں ایک اور عنصر قصبوں اور دیہاتوں کی صنعتوں (ٹی وی ایز) کا تھا۔ اس وقت جی ڈی پی میں ٹی وی ایز کا حصہ 30% ہے لیکن ان کا کردار ہمیشہ واضح نہیں رہا اور وہ متضاد کردار کی حامل ہیں۔ بیوروکریٹوں کیلئے یہ ناممکن تھا کہ وہ ان صنعتوں کی نجکاری بھی کر دیں اور معاشی اور سیاسی افراتفری بھی جنم نہ لے۔ اگر وہ ایک ہی جھٹکے میں ہر ایک چیز کی نجکاری کر دیتے تو اس کا مطلب یہ ہوتا کہ کئی ایک صنعتیں اور درحقیقت کئی ایک شعبے یا تو مکمل طور پر بند ہو جاتے یا پھر ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جاتے۔ اس کا نتیجہ کمیونسٹ پارٹی آف چائنہ کی حکمرانی کے خاتمے کی صورت میں برآمد ہوتا۔

اس حوالے سے ٹی وی ایز کا اجراء مکمل نجکاری کی راہ پر چلنے سے پہلے محض ایک عبوری قدم تھا۔ اس سے مینیجروں اور سماج کی دیگر جونک نما پرتوں کو وہ وقت مل جاتا ہے کہ وہ ان صنعتوں کی ملکیت حاصل کرنے کیلئے درکار سرمایہ جمع کر سکیں۔ یہ اس امر کی ایک انتہائی اعلیٰ مثال ہے کہ کس طرح ریاستی ملکیت میں چلنے والی پرانی صنعتیں اور شعبے اب چین کے اندر سرمایہ داری کے مفادات کی تکمیل کر رہے ہیں۔ وہ سماج کے اندر موجود نوزائیدہ بورژوا عناصر کی پرورش اور حمایت کر رہے ہیں تاکہ وہ براہ راست مالک بننے کے اہل ہو جائیں۔ بعض صورتوں میں ٹی وی ایز میونسپل کمپنیاں ہیں اور بعض صورتوں میں وہ نجی سرمایہ داروں کے ساتھ مل کر کی جانے والی کاوش ہیں۔ بہرصورت وہ سرمایہ دارانہ طرز پر کام کرنے والی فرمیں ہیں اور رفتہ رفتہ وہ سرمایہ داروں کے ہاتھوں میں جاتی رہی ہیں۔

بعض اوقات یہ ظاہر کرنے کیلئے کہ معیشت کا غالب حصہ ریاستی ملکیت میں ہے ٹی وی ایز کو اعداد و شمار میں شامل کیا جاتا ہے اور بعض تو انہیں یہ دکھانے اور دعویٰ

کرنے کیلئے استعمال کرتے ہیں کہ یہ ایک طرح کا ''سوشلزم'' ہے۔لیکن قریبی مشاہدے سے ایک مختلف تصویر سامنے آتی ہے۔ٹی وی ایز کی تعداد 1987ء میں 15لاکھ تھی۔1993ء میں یہ بڑھ کر 2 کروڑ 50لاکھ ہوگئی جبکہ ان میں 12 کروڑ 30لاکھ مزدور کام کر رہے تھے۔لیکن 1996ء سے ان کی تعداد مسلسل کم ہوتی گئی کیونکہ ان کی مکمل نجکاری کر دی گئی۔حتیٰ کہ جب وہ ریاستی یا میونسپل کمپنیوں کی حیثیت میں ہوتی ہیں تب بھی وہ سرمایہ دارانہ طرز پر کام کرتی ہیں اور انتظامیہ کو ملازمین کو نوکری پر رکھنے یا نکالنے کا اختیار ہوتا ہے۔

ہارٹ لینڈز برگ اور برکیٹ کے مطابق تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ''...'اوسطاً ٹی وی ایز کے مزدور محض بنیادی اجرت کما سکتے ہیں جو کم ازکم اجرت سے کم ہے اور باقی کی اجرت انہیں اوورٹائم اور پیس ریٹ کوٹہ کے بونس کی شکل میں کمانا پڑتی ہے۔ حتیٰ کہ بنیادی اجرت کی بھی کوئی ضمانت موجود نہیں کیونکہ کم ازکم اجرت کا تعین مقامی قصبے کے حکام کرتے ہیں جن کے -- ادارے سے متعلقہ اور ذاتی دونوں طرح کے-- مفادات زیادہ سے زیادہ منافع کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں۔دراصل ٹی وی ایز کی 'مقابلہ بازی اور شرح منافع' کی بڑے پیمانے پر خفیہ ضمانت 'انتہائی کم قیمت پر دستیاب دیہی لیبر' کی شکل میں موجود ہے جو کیمون سسٹم کی تباہی اور کھیتوں پر کام کرنے والے خاندانوں کی غربت کی وجہ سے بڑے پیمانے پر دستیاب ہے۔'' (چین اور سوشلزم--منڈی کی اصلاحات اور طبقاتی جدوجہد صفحہ 45)

ٹی وی ایز کا مقدر بڑی مضبوطی کے ساتھ ان عوامل کے ساتھ جڑا ہوا تھا جو معاشی میدان میں وقوع پذیر ہو رہے تھے۔جیسے جیسے نجی شعبہ حاوی ہوتا گیا ٹی وی ایز کو اپنے آپ کو اس کے مطابق ڈھالنا پڑا۔جیسا کہ مذکورہ بالا مصنفین نے وضاحت کی ہے کہ ''نجی پیداوار سے منافع فیض یاب ہونے کے نئے مواقع ملنے کے ساتھ ٹی وی ایز کی طرف مینیجروں کا یہ طرز عمل انتہائی تباہ کن تھا جس کے تحت انہوں نے ٹی وی ایز کے

اثاثہ جات یا پیداوار نجی صنعتوں کو غیر قانونی طور پر منتقل کرنے شروع کر دیے جہاں سے ان کو زیادہ فوائد حاصل ہو رہے تھے۔ اثاثہ جات کی یہ کانٹ چھانٹ 1990ء کی دہائی کے وسط میں زیادہ سرعت کے ساتھ شروع ہوئی جب پارٹی نے چھوٹی ریاستی صنعتوں کی نجکاری کے ساتھ اپنی وابستگی کا اظہار کیا---جب چھوٹے شہروں اور دیہی سرکاری اہلکاروں کو گرتے ہوئے منافعوں اور صنعتوں کی تباہی کا سامنا کرنا پڑا تو وہ ریاستی اہلکاروں کے اشارے پر چلنے لگے اور انہوں نے ٹی وی ایز کی فروخت میں تیزی پیدا کر دی۔ اس عمل کا آغاز 1996ء میں ہوا۔'' (ایضاً)

چین میں سرمایہ داری کو مضبوط کرنے کیلئے ریاست کا استعمال

چین کی بیوروکریسی سامراجی غلبے کا شکار نہیں ہونا چاہتی اور وہ ایسا ہونے کی اجازت بھی نہیں دیں گے۔ وہ جانتے ہیں کہ انہیں سرمایہ داری کا ایک مضبوط چینی شعبہ برقرار رکھنے کی ضرورت ہے اور وہ یہ کام کچھ ریاستی کمپنیوں کی تعمیر کر کے اور درحقیقت ان کو مضبوط کر کے کر رہے ہیں۔ ان کو بہت بڑی مقدار میں سرمایہ میسر ہے۔ ان ریاستی کارپوریشنوں میں پیسے کا بہاؤ جاری رکھنے کیلئے ریاستی بینکوں کو استعمال کیا جا رہا ہے۔

''چین میں ملکیت کی تبدیلی'' کے مصنفین کے بقول ''چین نے 20 سے زائد کارپوریشنوں اور دیوہیکل کمپنیوں کو پروان چڑھایا ہے جنہوں نے عالمی منڈی میں اپنی مسابقت بازی ثابت کی ہے۔ ان میں سے کچھ کمپنیاں ہزاروں لاکھوں مزدوروں کو نوکریوں سے برطرف کر رہی ہیں اس وجہ سے نہیں کہ انہیں معاشی بحران کا سامنا ہے بلکہ اس لئے کہ وہ اہم بین الاقوامی کردار ادا کرنا چاہتی ہیں۔ مثلاً 2002ء میں چین کی سب سے بڑی 12 ملٹی نیشنل کارپوریشنیں وہ تھیں جو زیادہ تر ریاستی ملکیت میں تھیں جن کے پاس 30 ارب ڈالر سے زیادہ کے غیر ملکی اثاثہ جات تھے اور ان

میں 20 ہزار کے لگ بھگ غیر ملکی ملازمین تھے اور جو غیر ملکی سیل کی شکل میں 33 ارب ڈالر حاصل کر رہی تھیں۔''

یوں اگرچہ یہ ریاستی ملکیت میں ہیں لیکن انہیں سرمایہ دارانہ بنیادوں پر امریکہ اور جاپان وغیرہ کی کمپنیوں کے ساتھ مقابلہ کرنے کیلئے چین کی بڑی ریاستی کارپوریشنوں کی شکل میں پروان چڑھایا جا رہا ہے۔ اس دستاویز میں ایک ٹیبل دیا گیا ہے جس کا نام ہے ''مختلف قسم کی ملکیت کے حوالے سے چین کے جی ڈی پی کی ہیئت ترکیبی'' اس میں ہمیں نظر آتا ہے کہ 1988ء ہی میں جی ڈی پی میں ریاستی شعبے کا حصہ کم ہو کر 41% رہ گیا تھا۔ 2003ء تک یہ مزید کم ہو کر 34% رہ گیا تھا۔ اور جس کو وہ ''حقیقی نجی شعبہ'' قرار دیتے ہیں۔ اس کا حصہ 1988ء سے 2003ء تک 31% سے بڑھ کر 44% ہو گیا۔ لیکن جہاں تک مجموعی غیر ریاستی شعبے کا تعلق ہے 2003ء میں جی ڈی پی میں اس کا حصہ 66% تھا۔ اور دستاویز کا حتمی نتیجہ یہ ہے کہ ''اب نجی شعبہ چین کی معیشت کا غالب حصہ ہے۔'' اس میں مزید کہا گیا ہے کہ ''نجی شعبے کا حصہ اور بھی بڑھ جاتا ہے اگر اس بات کو ذہن میں رکھیں کہ اجتماعی کھیتوں کی اوسطاً اچھی خاصی تعداد درحقیقت نجی ہاتھوں میں ہے اور عمومی طور پر نجی شعبہ معیشت کے دیگر شعبوں کی نسبت زیادہ پیداوار دیتا ہے۔''

ہم نے پہلے بھی دنیا کے دیگر حصوں میں اس عمل کو چھوٹے پیمانے پر رونما ہوتے ہوئے دیکھا ہے۔ جنوبی کوریا میں بھی ریاست نے بڑی بڑی ریاستی کارپوریشنوں کو پروان چڑھایا تھا لیکن اس سبب سے اسے مزدوروں کی ایک مسخ شدہ ریاست یا ایک ایسی ریاست قرار نہیں دیا جا سکتا تھا جو عبوری دور سے گزر رہی ہو۔ یہ سرمایہ داری کی ایک کمزور شکل تھی جس کو صرف ریاستی سرمایہ کاری کی بنیاد پر ہی تعمیر کیا جا سکتا تھا کیونکہ بورژوازی اتنی تھوڑی اور کمزور تھی کہ وہ کام کرنے سے قاصر تھی۔ لیکن چین کے اندر ہمیں یہی عمل بہت بڑے پیمانے پر جاری و ساری نظر آ رہا ہے۔ اگرچہ چین کے اندر

ایک بہت طاقتور بورژوازی کی تشکیل جا ری ہے لیکن اس کے پاس ان بڑی کارپوریشنوں کو چلانے اور انہیں ترقی دینے کیلئے وسائل نہیں ہیں جن میں سے زیادہ تر اب بھی ریاستی ملکیت میں ہیں۔اس لئے چین پر حکمرانی ریاست کی ہے اور یہ ریاست ہی ہے جو سرمایہ داری اور بورژوازی کی تعمیر کر رہی ہے۔

اگر چین کے اندر قانونی ڈھانچے پر نظر دوڑائی جائے تو مشاہدے میں نظر آتا ہے کہ گزشتہ تین چار سالوں کے اندر قانونی ڈھانچے میں بہت سی اہم تبدیلیاں بروئے کار لائی گئی ہیں تاکہ اس کو نئے ملکیتی رشتوں کے ساتھ ہم آہنگ کیا جا سکے۔2004ء میں آئین کے اندر اہم تبدیلیاں کی گئیں جن میں ملک کے اندر معاشی سرگرمی کے حوالے سے غیر ریاستی شعبے کے امدادی کردار اور نجی ملکیت پر قبضے کے خلاف تحفظ فراہم کرنے پر زور دیا گیا۔

حال ہی میں چین کے اندر ایسے قوانین تھے جو عوامی خدمات یا مالیاتی خدمات کے شعبوں میں نجی کمپنیوں کی مداخلت کو کنٹرول کرتے یا روکتے تھے۔ 2005ء میں یہ قوانین ختم کر دیئے گئے اور نجی کمپنیوں کو ان شعبوں میں داخل ہونے کی اجازت دے دی گئی۔اب بینکنگ کے شعبے میں بھی ایسا ہی ہو رہا ہے۔اس شعبے کی نجکاری ہو رہی ہے اور غیر ملکی زرمبادلہ کو بینکوں میں آنے کی اجازت ہے۔ درحقیقت جب بورژوا تجزیہ نگار آج کل چین کے بارے میں لکھتے ہیں تو بہت حد تک قانونی ڈھانچے کی ان تفصیلات میں جاتے ہیں جن کو نئے ملکیتی رشتوں کے ساتھ ہم آہنگ کرنے کی ضرورت ہے۔ وہ انہیں ماضی کی باقیات خیال کرتے ہیں جنہیں نجی کمپنیوں کی کارگزاری میں سہولت پیدا کرنے کیلئے ختم کرنے کی ضرورت ہے۔چین میں ملکیتی رشتے بدل گئے ہیں اور اگرچہ قانونی ڈھانچے کو ان کے ساتھ ہم آہنگ کرنے کیلئے پہلے ہی بہت کچھ کیا جا چکا ہے اب بھی پرانے قانونی نظام کی باقیات موجود ہیں۔ درحقیقت نئے ملکیتی رشتے اور پرانے قانونی ڈھانچے باہم متصادم ہو سکتے ہیں۔

ضروری نہیں کہ وہ فوری طور پر معاشی بنیادوں کے ساتھ ہم آہنگ ہو جائیں۔ تاہم جلد یا بدیر ناگزیر طور پر یہ ''بالائی ڈھانچہ'' معاشی بنیادوں کے ساتھ ہم آہنگ ہو جائے گا۔ جیسا کہ مارکس نے 1859ء میں اپنی کتاب A Contribution to the Critique of Political Economy میں اشارہ کیا تھا:

''ترقی کے ایک مخصوص مرحلے پر سماج کی مادی پیداواری قوتیں موجود پیداواری رشتوں یا ملکیتی رشتوں-- جو محض قانونی حوالے سے اسی چیز کا اظہار ہے-- کے ساتھ متصادم ہو جاتی ہیں جن کے اندر وہ اب تک کام کرتی رہی ہوتی ہیں۔ پیداواری قوتوں کو ترقی دینے کی ہیئت کی بجائے یہ ان کی بیڑیاں بن جاتے ہیں۔ اس سے سماجی انقلاب کے عہد کا آغاز ہو جاتا ہے۔ معاشی بنیادوں میں رونما ہونے والی تبدیلیاں جلد یا بدیر تمام تر بھاری بھرکم بالائی ڈھانچے کی تبدیلی پر منتج ہوتی ہیں۔''

چین کے حوالے سے ہم سماجی انقلاب کی نہیں بلکہ ردانقلاب کی بات کر رہے ہیں۔ پھر بھی مارکس نے جو نقطہ اٹھایا تھا اس کا یہاں بھی اطلاق ہوتا ہے۔ جب ملکیتی رشتے تبدیل ہو جاتے ہیں تو قانون کے بالائی ڈھانچے کو ناگزیر طور پر اس کی پیروی کرنا پڑتی ہے۔ اس حوالے سے ہم توقع کر سکتے ہیں کہ قانونی ''بالائی ڈھانچے'' میں بروئے کار لائی جانے والی تبدیلیوں کا یہ عمل جس کا مقصد اسے معاشی بنیاد کے ساتھ ہم آہنگ کرنا ہے بڑی تیزی سے جاری رہے گا۔ اگرچہ بیوروکریسی کی کچھ پرتوں کے اندر مزاحمت موجود ہے، لیکن ''جلد یا بدیر'' ان دونوں کو ایک دوسرے کے ساتھ ہم آہنگ کرنا ضروری ہے۔ جیسا کہ آئین میں کی جانے والی تبدیلیوں سے ظاہر ہے کہ پہلے ہی بہت کچھ کیا جا چکا ہے۔

ڈبلیو ٹی او میں شمولیت کا عمل

ایک اور فیصلہ کن مرحلہ نومبر 2001ء میں اس وقت آیا جب چین نے عالمی

تجارتی تنظیم میں شمولیت کا فیصلہ کیا۔ ڈبلیوٹی او میں شمولیت کا مسئلہ خاصا اہمیت کا حامل ہے۔ ڈبلیوٹی او میں شمولیت کے موقع پر چین نے بیرونی تجارت پر ہر طرح کا سرکاری کنٹرول ختم کرنے کا عہد کیا اور تب سے اب تک وہ مرحلہ وار ایسا ہی کرتا آیا ہے۔ چین کے ڈبلیوٹی او میں شامل ہونے کی وجوہات واضح ہیں۔ ڈبلیوٹی او میں چین کی موجودہ معیشت کا وجود صرف اسی صورت میں ممکن ہے اگر اس کا عالمی معیشت کے ساتھ ایک مضبوط رشتہ ہو۔ برآمدات پر اس کا انحصار بہت زیادہ ہے اور اس نے تجارت کے حوالے سے کئی ایک عالمی معاہدے کر رکھے ہیں۔ اس کو عالمی معیشت میں مکمل طور پر شریک ہونا ہوگا۔ نتیجتاً اس سے چین کے اندر سرمایہ داری کی طرف عبور کے عمل میں تیزی آ گئی ہے۔

غیر ملکی تجارت پر ریاستی کنٹرول کا خاتمہ چین کو عالمی منڈی کیلئے کھولنے میں ایک اہم عنصر ہے۔ ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ بالشویکوں کے پروگرام میں ایک کلیدی عنصر --اور جس کی سٹالن اور بخارن کے مقابلے میں ٹراٹسکی زبردست حمایت کرتا تھا-- یہ تھا کہ سرمایہ دارانہ دنیا میں گھری ہوئی ایک مزدور ریاست کیلئے ضروری ہے کہ وہ غیر ملکی تجارت پر ریاستی اجارہ داری برقرار رکھے۔ خاص کر ایک غیر ترقی یافتہ ملک کیلئے یہ اور بھی ضروری تھا۔

بخارن کا خیال یہ تھا کہ معیشت کو ترقی دینے کیلئے کسانوں کی ایک پرت کو امیر بننے کی اجازت دینا ضروری ہے۔ اس کا خیال تھا کہ مادی ترغیبات کے نتیجے میں کارگزاری اور پیداوار میں اضافہ ہوگا۔ تاہم بخارن کو اس بات کا اندازہ نہیں تھا کہ اس کے نظریات کے ممکنہ نتائج کیا نکلیں گے۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ وہ ایک ایسے موقف پر کھڑا تھا جس کا نتیجہ سرمایہ دارانہ پیداواری رشتوں کی واپسی صورت میں برآمد ہو سکتا ہے۔

اگر اس کے موقف پر عملدرآمد ہو جاتا تو سوویت یونین میں 1928ء ہی میں

سرمایہ داری لوٹ آتی۔ حتیٰ کہ اس وقت بھی سرمایہ داری کا دباؤ بڑی شدت سے محسوس کیا جا رہا تھا۔ ڈینگ اور بخارن میں کئی ایک مماثلتیں ہیں حتیٰ کہ ان کے الفاظ میں بھی کافی مماثلت ہے۔ ڈینگ کا نعرہ تھا ''امیر ہونا شاندار بات ہے!'' جبکہ بخارن کا نعرہ تھا ''امیر بنو!''

غیر ملکی تجارت پر ریاستی اجارہ داری دراصل بیرونی دنیا سے سرمایہ داری کے اثرات کی یلغار کے خلاف ایک حفاظتی اقدام تھا۔ اگر ترقی یافتہ سرمایہ دارانہ ملکوں کی تاریخ پر نظر دوڑائی جائے تو یہ نظر آتا ہے کہ ایک وقت میں اپنی ملکی منڈی کا دفاع کرنے کیلئے وہ تحفظاتی پالیسیوں (Protectionism) کا سہارا لیتے تھے اور آزاد تجارت محض بعد کے مراحل میں وہاں کی بورژوازی کی پسندیدہ پالیسی بنی۔ حتیٰ کہ جب برطانوی بورژوازی اپنی صنعت کو ترقی دے رہی تھی تو اس نے بھی اپنی منڈی کی حفاظت کی۔ جب انہوں نے جدید مقابلے کی صنعت تعمیر کر لی تو پھر انہیں تحفظاتی پالیسی کی ضرورت نہیں تھی۔ اس مرحلے سے گزرنے کے بعد ان کی صنعت اتنی طاقتور ہو گئی کہ وہ عالمی منڈی پر غلبہ حاصل کر لے۔ جیسا کہ مارکس اور اینگلز نے بورژوازی کا حوالہ دیتے ہوئے ''کمیونسٹ مینی فسٹو'' میں لکھا تھا ''اجناس کی کم قیمتیں وہ بھاری توپ خانہ ہے جن کے ساتھ وہ تمام تر دیوار ہائے چین گرا دیتی ہیں۔''

ماضی قریب میں آج کے غیر ترقی یافتہ ملکوں کا بھی یہی حال تھا۔ مثال کے طور پر 20 سال پہلے پاکستان میں بے تحاشا محصولات اور تحفظاتی اقدامات موجود تھے۔ لیکن حال ہی میں اسے داخلی منڈی کھولنے پر مجبور کر دیا گیا۔ سامراجی ممالک انہیں اپنی پالیسی اپنانے پر مجبور کر رہے ہیں اور وہ تحفظاتی اقدامات کو برداشت نہیں کر سکتے۔ اگرچہ اس کے ساتھ ساتھ وہ زراعت وغیرہ کے حوالے سے بڑے حسد کے ساتھ اپنی منڈیوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ انہیں اس کی شدید ضرورت ہے کہ تمام منڈیاں ان کی اجناس کیلئے کھول دی جائیں۔

چین اور پاکستان میں فرق یہ ہے کہ نام نہاد کھلی منڈی کے پاکستان پر مسلط کیے جانے سے وہاں ہزاروں صنعتیں اور کارخانے تباہ و برباد ہو گئے ہیں۔ پاکستانی صنعت کی ترقی کی سطح اتنی کم تر تھی کہ وہ بیرونی مقابلے کا سامنا نہیں کر سکتی تھی۔ تاہم چین پاکستان نہیں اور چین کی حکومت یقیناً یہ سوچ رہی ہوگی ''اب ہم کافی طاقتور ہو گئے ہیں۔ ہمارے ہاں وہ پیداواری صلاحیت موجود ہے کہ ہم بیرونی مقابلے کا سامنا کر سکیں۔'' تاہم اس سے اشتعال میں آ کر جوابی اقدامات ہو رہے ہیں خاص کر امریکہ کی طرف سے جہاں چین کی اجناس سے امریکی منڈی کو محفوظ بنانے کیلئے تحفظاتی پالیسیاں لاگو کرنے کے بارے میں سوچا جا رہا ہے۔

سرد مہر تبدیلی؟

اب یہ بات واضح ہے کہ سرمایہ داری کی طرف سفر جاری ہے لیکن یہ کس طرح ہوا ہے؟ اب تک کوئی مسلح ردانقلاب نہیں ہوا نہ ہی بیوروکریسی کے مختلف دھڑوں کے درمیان کوئی بڑا تصادم ہوا ہے۔ ٹراٹسکی نے ایک بار اصلاح پسندی کی ایسی فلم کا تصور پیش کیا تھا جو الٹی چلائی جا رہی ہو۔ اس نے وضاحت کی تھی کہ ایک ردانقلاب کے وقوع پذیر ہونے کیلئے کسی نہ کسی قسم کا پرتشدد تصادم ناگزیز ہوتا ہے۔ صرف اسی صورت میں سرمایہ داری کی طرف واپسی ممکن ہوگی۔ اس کی مراد یہ تھی کہ ''اصلاحات کر کے'' نظام کو سرمایہ داری میں نہیں ڈھالا جا سکتا۔

یہاں ہمیں ٹراٹسکی سے سیکھنے کی ضرورت ہے۔ ہمیں ادھر ادھر سے ٹراٹسکی کے الگ الگ جملے لینے کی ضرورت نہیں بلکہ وہ طریقہ کار اپنانے کی ضرورت ہے جس کا وہ استعمال کیا کرتا تھا۔ وہ 1930ء کی دہائی کے روس کی بات کر رہا تھا جہاں ابھی تک انقلابی روایات زندہ و جاوید تھیں۔ روس کے محنت کش طبقے نے انقلاب میں ایک کلیدی کردار ادا کیا تھا اور اسے اس بات کا شعور تھا کہ سرمایہ داری کی طرف واپسی کا

مطلب کیا ہے اور یہ کہ محنت کش طبقہ سرمایہ دارانہ بحالی کی مزاحمت کرتا۔ خود بین الاقوامی صورتحال بھی سوویت یونین کے اندر طاقتوں کا ایک مختلف توازن پیش کر رہی تھی۔ بیوروکریسی کی ایک اچھی خاصی پرت کے مفادات ریاستی منصوبہ بند معیشت کے ساتھ جڑے ہوئے تھے۔

تاہم سوویت یونین کے اندر سٹالنزم کئی دہائیوں تک چلتا رہا۔ غالباً اس سے کہیں زیادہ عرصہ تک جتنا خود ٹراٹسکی کا اندازہ تھا اور درحقیقت یہ 70 سال پر محیط تھا۔ مقداری تبدیلیاں معیاری تبدیلیوں کو متعین کرتی ہیں۔ اس عرصے میں محنت کش طبقے اور انقلابی روایات کے درمیان دوریاں بڑھتی گئیں۔ جو نسل انقلاب کے تجربے سے گزری تھی اس کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ نئی نسلوں نے جو کچھ دیکھا تھا وہ ایک مختلف قسم کی بیوروکریسی تھی جو خود کو عوام سے زیادہ سے زیادہ بلند کرتی جا رہی تھی۔ انہیں ہر سطح پر بدانتظامی، ضیاع اور بدعنوانی کے علاوہ اور کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ اور بالآخر وہ محض ایک ایسے نظام کا سامنا کر رہے تھے جو زمین بوس ہو رہا تھا۔ بعض اوقات کوئی حکومت اتنی بوسیدہ ہو چکی ہوتی ہے کہ جب نیچے سے کسی معمولی تحریک کے پھٹنے سے معمولی سا دباؤ بھی پڑتا ہے تو حکمران طبقہ -- یا حکمران پرت -- اس کی مزاحمت کرنے سے قاصر ہو جاتی ہے۔

سرمایہ داری کی بنیادیں استوار کرنے کیلئے بورژوا انقلاب ضروری ہوتا ہے۔ اس خیال کی جڑیں 1789ء کے فرانسیسی اور 1640ء کے انگلستانی کلاسیکی سرمایہ دارانہ انقلاب کے تجربے میں پیوست ہیں۔ جاگیرداری کی حدود کے اندر رہتے ہوئے دولت ذخیرہ کر کے بورژوازی نے ترقی پائی تھی اور آخر کار اس کو ان حدود کو توڑنا پڑا۔ نوخیز بورژوا طبقے نے جاگیردار اشرافیہ کے مقابلے میں قوم کی قیادت کی اور جاگیرداری کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا اور اس سے ان حالات نے جنم لیا جن کی وجہ سے جدید سرمایہ داری نے ترقی پائی۔ لیکن جب ایک بار چند ایک کلیدی ممالک

(برطانیہ، فرانس، امریکہ وغیرہ) میں سرمایہ داری نے ترقی کر لی تو اس کا مطلب یہ ہوگیا کہ ان ممالک میں سرمایہ داری نے جس طرز پر ترقی کی تھی اس طرز کو اسی انداز میں کم ترقی یافتہ ملکوں میں دہرانا ناممکن ہوگیا۔ مارکس نے جرمنی کے ضمن میں اس چیز کو بھانپ لیا تھا جس کے بارے میں اس نے کہا تھا کہ جرمن بورژوازی اقتدار حاصل کرنے سے پہلے ہی رجعتی ہوگئی تھی۔

منشویکوں کو اس مسئلے کی سمجھ نہیں تھی۔ انہیں توقع تھی کہ تمام ممالک انہی مراحل سے گزریں گے۔ روس ایک پسماندہ ملک تھا جہاں کسانوں کی بھاری تعداد اور جاگیرداری نظام تھا۔ یوں جو کچھ فرانس اور برطانیہ میں ہوا وہ میکانکی انداز میں اس کا اطلاق روس پر جبراً کر رہے تھے۔ اس لئے ان کے نزدیک روسی کمیونسٹوں کا فریضہ یہ تھا کہ وہ ''ترقی پسند بورژوازی'' کی حمایت کریں۔ ان کو اس بات کی سمجھ نہیں آ رہی تھی جو ٹراٹسکی نے ''مسلسل انقلاب'' کے نظریہ میں کی تھی۔ سامراجیت کے عہد میں پسماندہ ملکوں میں بورژوازی وہ ترقی پسندانہ کردار ادا کرنے سے قاصر تھی جو اس نے فرانس اور برطانیہ میں ادا کیا۔

اس سے یہ وضاحت بھی ہوتی ہے کہ دیگر ملکوں میں سرمایہ داری کی ترقی اس کلاسیکی میکانزم کے ذریعے کیوں نہ ہوئی جس کے تحت ایک بورژوا انقلاب میں بورژوازی نے قوم کی قیادت کرنا تھی۔ مثال کے طور پر جرمنی یا جاپان میں سرمایہ داری اس طریقے سے وجود میں نہیں آئی۔ آج کے عہد میں ان دو ملکوں کا دنیا کے طاقتور ترین ممالک میں شمار ہوتا ہے۔ جاپان میں جاگیردارانہ ریاست کی بیوروکریسی امریکی سرمایہ داری کے دباؤ کے زیر اثر تحریک کو سرمایہ داری کی طرف لے گئی۔ اس سے ہمیں اس وقت کی بورژوازی کی کمزوری اور لاغرپن کا پتہ چلتا ہے۔ ایسا کیوں ہوا؟ اس لیے کہ عالمی سطح پر ہونے والی پیش رفت کو تمام عوامل پر غلبہ حاصل ہوتا ہے۔ ایک طاقتور قوم کی حیثیت سے جاپان کے مستقبل کی واضح ضمانت یہ تھی کہ وہ سرمایہ

داری کو ترقی دیں۔ چونکہ جاپان کی بورژوازی اپنا تاریخی فریضہ ادا کرنے سے قاصر تھی اس لئے ایک دوسرے طبقے نے یہ فرائض سرانجام دیے۔ جرمنی میں پرانی جاگیردارانہ ریاست کے جنکروں نے اسی طرز کے ایک عمل کی قیادت کی تھی۔لیکن چونکہ کوئی انقلاب نہیں ہوا تھا اس لئے وہاں جاگیردارانہ نظام کی باقیات موجود تھیں۔ جرمنی میں آخر کار یہ تضادات اس وقت ختم ہوئے جب 1918ء میں وہاں ایک ناکام پرولتاری انقلاب ہوا جس نے کم ازکم بورژوا انقلاب کے نامکمل فریضوں کی تکمیل کی تھی۔ یہی کام جاپان میں 1945ء کے بعد امریکہ کی قابض فوجوں نے کیا تھا۔ میکارتھر نے جاپان میں زرعی انقلاب طاقت کے ذریعے کیا کیونکہ اسے ڈر تھا کہ چین کے انقلاب کے جاپانی عوام پر اثرات مرتب ہو سکتے ہیں۔

ان مثالوں میں کوئی بورژوا انقلاب نہیں بلکہ ایک نظام سے دوسرے کی طرف ایک ''سرد مہر تبدیلی'' ہوئی۔لینن اس بات پر زور دے رہا تھا کہ تاریخ میں ہر طرح کا تغیر اور تبدیلی ممکن ہوتی ہے۔ضروری نہیں کہ زندہ و جاوید حقیقی عوامل ہر لحاظ سے نصاب کی کتابوں سے مطابقت رکھتے ہوں ! سماجی تبدیلی کے وقوع پذیر ہونے کا کوئی کڑا قانون نہیں۔ مارکسی ہونے کے ناطے ہمیں اس کی آگاہی ہونی چاہیے وگرنہ ہم ایسے واقعات کے ہاتھوں ادھر ادھر ہچکولے کھاتے رہیں گے جو میکانکی اور پہلے سے سوچے سمجھے خیالات کے مطابق نہیں ہوتے۔

اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ ''سرد مہر تبدیلی'' کے حوالے سے ٹراٹسکی کی طرف سے اٹھائے گئے خیالات کو ہم تاریخ کے سیاق وسباق میں رکھ کر دیکھیں۔ تاہم ہمیں یہ بھی دیکھنے کی ضرورت ہے ٹراٹسکی کے خیالات اس حوالے سے بصیرت افروز ہیں کہ کس طرح بیوروکریسی بڑی آسانی کے ساتھ سرمایہ دارانہ بحالی کے حق میں چلی جائے گی۔اس نے وضاحت کی تھی کہ اگر سوویت یونین میں بورژوا ردانقلاب ہوا تو حکمران طبقے کو ریاست کے اندر سے اس سے کہیں زیادہ کم عناصر کی

تطہیر کرنا پڑے گی جتنی کہ ایک سیاسی انقلاب کی شکل میں ہو گی۔ جب یلسن اقتدار میں آیا تو پرانی سوویت بیوروکریسی کے ساتھ ٹھیک یہی ہوا اور آج چین کی بیوروکریسی کوئی مختلف چیز نہیں۔ ''انقلاب سے غداری'' میں ٹراٹسکی کے اصل الفاظ یہ تھے:

''اگر--ایک دوسرے مفروضے کے حوالے سے بات کرتے ہوئے--ایک سرمایہ دارانہ پارٹی نے سوویت یونین کی حکمران پرت کا دھڑن تختہ کیا تو اسے موجودہ بیوروکریٹوں' ناظمین' ٹیکنیشوں' ڈائیریکٹروں' پارٹی کے سیکرٹریوں اور عمومی طور پر مراعات یافتہ بالائی پرتوں میں بہت سے ایسے لوگ ملیں گے جو پہلے ہی ان کو اپنی خدمات پیش کرنے پر تیار ہوں گے۔ اس صورت میں بھی بلاشبہ ریاستی اپریٹس کے اندر تطہیر کی ضرورت ہو گی۔ لیکن سرمایہ دارانہ بحالی کے نتیجے میں جن لوگوں کی تطہیر کی جائے گی وہ انقلابی پارٹی کی طرف سے کی جانے والی تطہیر کے مقابلے میں کم ہوں گے۔ نئی حکومت کا بڑا فریضہ یہ ہو گا کہ ذرائع پیداوار میں نجی ملکیت بحال کی جائے۔ سب سے پہلے یہ ضروری ہو گا کہ کمزور اجتماعی فارموں کے اندر سے طاقتور کسان پیدا کیے جائیں اور طاقتور اجتماعی فارموں کو بورژوا طرز کے پیداواری کوآپریٹوز میں بدل کر زرعی سٹاک کمپنیوں میں بدل دیا جائے۔ صنعت کے شعبے میں ڈی نیشنلائزیشن کا آغاز ہلکی اور اشیائے خوردونوش کی صنعتوں سے ہو گا۔ عبوری دور میں منصوبہ بندی کے اصول کو ریاستی طاقت اور انفرادی ''کارپوریشنوں''--امکانی مالکان یعنی سوویت یونین کی صنعت کے کرتے دھرتے لوگوں' سابق جلاوطن مالکان اور غیر ملکی سرمایہ دار-- کے درمیان سمجھوتوں کے ایک پورے سلسلے سے بدل دیا جائے گا۔ قطع نظر اس بات کے کہ سوویت بیوروکریسی سرمایہ دارانہ بحالی کے راستے پر بہت آگے جا چکی ہے نئی حکومت کو ملکیت کی شکلوں اور صنعتی طریقوں میں اصلاحات متعارف کروانے کی نہیں بلکہ سماجی انقلاب کی ضرورت ہو گی۔''

سوویت یونین کی سماجی بنیادیں ایک مزدور ریاست کے کردار کی حامل تھیں جس میں مرکزیت اور ریاستی ملکیت پر مبنی منصوبہ بند معیشت تھی لیکن اگر یہ ریاست بھی ایک سرمایہ دارانہ ریاست میں تبدیل ہو جاتی تو زیادہ لوگوں کی تطہیر کی ضرورت نہیں تھی۔ اس کا سبب یہ تھا کہ وہ پہلے سے مراعات یافتہ لوگ تھے اور وہ ایک مزدور ریاست کے مراعات یافتہ بیوروکریٹوں سے سرمایہ داری کے مراعات یافتہ خادم بن جاتے۔اس کے برعکس ایک سیاسی انقلاب کی صورت میں ان میں سے کئی ایک بیوروکریٹوں پر مزدور کی اجرت کا قانون لاگو کیا جاتا اور ان کی مراعات ختم کر دی جاتیں۔اس کے نتیجے میں ایک بڑا تصادم سامنے آ سکتا تھا۔روس کے موجودہ حالات ظاہر کرتے ہیں ٹراٹسکی ٹھیک کہتا تھا۔

ٹراٹسکی کے سوویت یونین کے تجزیے میں ایسی اہم چیزیں موجود ہیں جن سے ہمیں آج کے چین کو سمجھنے میں مدد مل سکتی ہے۔یہاں بھی ہمارا واسطہ ایک مراعات یافتہ پرت سے ہے جو،جیسا کہ ٹراٹسکی نے زور دیا تھا،کسی مخصوص لمحے اپنی مراعات کو ضمانت فراہم کرنے کیلئے ذرائع پیداوار کی مالک بن سکتی ہے۔

کئی ایک ایسے عوامل ہیں جو چینی بیوروکریسی کو اس سمت میں لے گئے ہیں۔ دوسری عالمی جنگ کے بعد مغرب کے سرمایہ دارانہ ملکوں میں بہت بڑا معاشی ابھار تھا جس سے پیداواری قوتوں کو بے پناہ ترقی نصیب ہوئی۔اس کے بعد مشرقی یورپ اور سوویت یونین کے اندر انحطاط کا آغاز ہوا۔مارکسی رجحان نے 1970ء کی دہائی کے آغاز میں اس بات کی طرف اشارہ کیا تھا۔چین کے بیوروکریٹوں نے بھی اس کو مدنظر رکھا۔سوویت یونین کا گروتھ ریٹ کم ہو کر 3% پھر 2% اور پھر صفر ہو گیا۔ نظام جمود کا شکار ہو رہا تھا۔ بالآخر مشرقی یورپ انہدام کا شکار ہو گیا اور دو سال بعد سوویت یونین بھی منہدم ہو گیا۔سوویت یونین اپنے بہت سے علاقوں سے ہاتھ دھو بیٹھا۔

یہ طاقتور عوامل تھے جن سے چین کے بیوروکریٹوں کے افکار کا تعین ہوا۔ بنیادی طور پر انہوں نے چینی طرز کی نئی معاشی پالیسی (NEP) سے آغاز کیا اور وہ معیشت کو زیادہ سے زیادہ کارگر اور زیادہ پیداوار کا حامل بنانا چاہتے تھے۔ وہ عالمی سطح پر رونما ہونے والے واقعات کو دیکھ رہے تھے اور یہ واقعات انہیں ایک مخصوص سمت میں لے جا رہے تھے۔ اپنی سرحد کے پار ہی انہیں سوویت یونین میں مکمل افراتفری اور بربادی نظر آ رہی تھی۔ غالباً وہ سوچ رہے ہوں گے کہ ''ہم یہاں ایسا نہیں ہونے دیں گے۔ ہم یہاں منڈی کی اصلاحات متعارف کروائیں گے لیکن ہم خود اس عمل کو کنٹرول کریں گے۔'' یوں انہوں نے یہ کام رفتہ رفتہ قدم بہ قدم کیا لیکن جب ایک بار وہ اس راہ پر چل نکلے تو آگے اس عمل کی اپنی ہی ایک منطق تھی جس کا آخری نتیجہ موجودہ صورتحال کی شکل میں سامنے آیا ہے۔

اس وقت چین میں انتہائی گہرے سرمایہ دارانہ مفادات ہیں۔ نوزائیدہ بورژوازی اپنے طبقاتی مفادات کے تحفظ کیلئے کمیونسٹ پارٹی کو استعمال کر رہی ہے۔ کیا ان حالات میں بیوروکریسی اس عمل کو الٹ سکتی ہے اور کامیابی سے اسے پایہ تکمیل تک پہنچا سکتی ہے؟ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ عمل اس حد سے آگے نکل گیا ہے جہاں سے اسے بغیر کسی بڑے تصادم کے واپس موڑا جا سکتا تھا۔ اگر چینی بیوروکریسی کا ایک دھڑا اس راہ پر چل نکلنے کا فیصلہ کر ہی لیتا ہے تو اس سے سرمایہ داری نواز دھڑے کے ساتھ ایک بڑا تصادم پھوٹ پڑے گا۔ اس لئے ایک بیوروکریٹک منصوبہ بند معیشت کی طرف ایک ''سرد مہر تبدیلی'' ناممکن ہوگی۔ لیکن یہ تناظر مفروضے پر مبنی ہے کیونکہ ایسی کوئی شہادت موجود نہیں کہ اس طرح کا کوئی دھڑا وجود رکھتا ہے۔

چین کی مساوات کے ضمن میں ایک اہم عنصر محنت کش طبقے کا حجم اور تجربہ ہے۔ کسی بھی سرمایہ دارانہ مخالف تحریک کی بنیاد اس طبقے کی حرکت پر ہوگی اور چینی مزدور کسی ایسی تحریک کو قبول نہیں کریں گے جس کا مقصد سٹالنزم کی طرف واپسی ہو۔ وہ

آ گے حقیقی سوشلزم اور حقیقی مزدور ریاست کی طرف بڑھنا پسند کریں گے۔

بے شک اس طرح کے ایک عمل کے نتیجے میں پارٹی کا ایک حصہ بھی متاثر ہوگا۔ چین کے پریس میں جو خطوط اور مضامین شائع ہوئے ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ چین کی کمیونسٹ پارٹی کے اندر اب بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو 1949ء کے انقلاب کی آدرشوں پر یقین رکھتے ہیں اور یہ لوگ محنت کش طبقے کی انقلابی تحریک سے متاثر ہوں گے اور یہ تحریکیں انہیں سرمایہ داری نواز غالب دھڑے کے ساتھ متصادم کر دیں گی۔اس کا مطلب یہ ہوگا کہ مختلف پرتوں کے درمیان دھڑے بندی ہوگی جس میں اوپر کی پرتیں نئے سرمایہ دارانہ تعلقات کی حمایت کریں گی اور نیچے کی کچھ پرتیں مزدور تحریک کے پیچھے کھنچے چلے جانے پر مجبور ہوں گی۔

ٹراٹسکی نے روسی بیوروکریسی کے اندر ''ریس ونگ'' کے وجود کا حوالہ دیا تھا جس سے اس کی مراد وہ دھڑا تھا جو اکتوبر انقلاب کی آدرشوں اور حقیقی بالشویزم کی طرف لوٹنا چاہتا تھا۔ 1930ء کی دہائی میں اس طرح کا دھڑا موجود تھا۔انقلاب نسبتاً ایک تازہ واقعہ تھا اور پارٹی کے کئی ایک ارکان انقلاب سے پہلے کے دور کے حوالے سے سٹالنزم اور حقیقی بالشویزم کے درمیان فرق کو محسوس کر سکتے تھے۔

لیکن سٹالنسٹ حکومت کئی دہائیوں تک باقی رہی۔سٹالن نے اکتوبر انقلاب کی آدرشوں کے ساتھ ہر ایک جڑت کو رفتہ رفتہ مٹا دیا۔اس کے باوجود 1991ء میں جس وقت سوویت یونین منہدم ہوا اس وقت اگرچہ بہت تھوڑی تعداد ہی میں سہی لیکن ایک ایسا دھڑا موجود تھا جو حقیقی لینن ازم کے نظریات کی تلاش کر رہا تھا۔

چین کے اندر صورتحال ذرا مختلف ہے۔جس طرح کے ''ریس ونگ'' کا ٹراٹسکی نے ذکر کیا اس کا کوئی وجود نہیں ہے۔ 1949ء کے انقلاب کی بنیاد لینن کے نظریات پر نہیں تھی۔چین کی کمیونسٹ پارٹی اقتدار میں آنے سے بہت پہلے ہی ایک سٹالنسٹ پارٹی بن چکی تھی۔اس لئے جن لوگوں کا تعلق 1949ء سے پہلے کے عہد سے تھا ان کا

پوائنٹ آف ریفرینس بھی سٹالنزم تھا۔

ہمیں ایک ''زوال پذیر مزدور ریاست'' اور ایک ''مسخ شدہ مزدور ریاست'' کے درمیان فرق کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ یقیناً ایک زوال پذیر مزدور ریاست بھی ایک مسخ شدہ مزدور ریاست کی شکل میں وجود پذیر ہوتی ہے۔ لیکن تاریخ کی واحد ''زوال پذیر مزدور ریاست'' سوویت یونین تھی۔ اس کا آغاز نسبتاً ایک صحت مند مزدور ریاست کی حیثیت سے ہوا تھا اور انقلاب کے تنہا رہ جانے کی وجہ سے اس میں زوال پذیری کا آغاز ہوا جب بیوروکریسی نے اقتدار پر قبضہ جما لیا۔ اس عمل کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کیلئے سٹالنسٹ بیوروکریسی کو ایسے ہزاروں لاکھوں کمیونسٹوں کا قلع قمع کرنا پڑا جو اس بات سے آگاہ تھے کہ بالشویکوں نے جو کچھ تعمیر کرنے کیلئے جدوجہد کی تھی اس میں اور اس بے ہودہ نقالی میں کتنا فرق تھا جو ایک پسماندہ ملک کے اندر انقلاب کے تنہا رہ جانے کے نتیجے میں پنپ کر سامنے آئی تھی۔

چین میں کوئی بھی دور ایسا نہیں آیا جب وہاں کی ریاست صحت مند مزدور ریاست رہی ہو۔ وہاں کبھی بھی حقیقی مزدور جمہوریت یا مزدور اقتدار قائم نہیں ہوا۔ جس دن کمیونسٹ پارٹی چین کے ریاستی اقتدار پر براجمان ہوئی اسی دن سے یہ ایک مسخ شدہ مزدور ریاست تھی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ کمیونسٹ پارٹی کو پرانی منڈارن ریاست کا ڈھانچہ ورثے میں ملا تھا۔ حتیٰ کہ سوویت روس کے ابتدائی ایام میں لینن نے اس طرف اشارہ کیا تھا کہ اگر آپ مزدور ریاست کی ظاہری سطح کو کھرچیں گے تو آپ کو وہی پرانا زارشاہی کا ریاستی ڈھانچہ نظر آئے گا کیونکہ خاص کر ایک پسماندہ ملک میں نئی ریاست کو پرانی ریاست کے بہت سے اہلکاروں پر انحصار کرنا پڑتا ہے۔ تاہم لینن کے دور میں مزدور اپنی طاقت کے آلہ ہائے کار یعنی سوویتوں کے ذریعے اس پرت کے رجعتی رجحانات پر روک لگانے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ لیکن چین میں ایسا نہیں تھا۔

اس کے باوجود اگرچہ مسخ شدہ شکل ہی میں سہی پارٹی کے اندر ناگزیر طور پر ایسے عناصر ہوں گے جو چین کے اندر سرمایہ داری کی طرف سفر کو خوف کے عالم میں دیکھ رہے ہیں۔ وہ دیکھ رہے ہیں کہ کس طرح مزدوروں کے تمام حقوق چھین لئے گئے ہیں اور انقلاب کی تمام تر آدرشوں کو پاؤں کے نیچے مسل دیا گیا ہے۔ وہ ماؤاسٹ چین کی طرف واپسی کے خواہشمند ہیں جو ان کے خیال میں کہیں زیادہ ''مساوات'' پر مبنی تھا۔لیکن آج کے عہد میں ایک دیوہیکل پرولتاریہ پروان چڑھ چکا ہے اس لئے آج کے مزدوروں کیلئے ماؤ کے اس نظریے کی کوئی اہمیت نہیں ہوگی کہ ہر چیز کیلئے کسانوں کو بنیاد بنایا جائے۔ آج پرولتاریہ ایک غالب قوت بن چکا ہے اس لئے شہروں کے مزدور جو ''ماؤ کی طرف واپسی'' کے ذریعے نجات کی کسی راہ کے متلاشی ہیں وہ مجبوراً مزدور اقتدار کا مسئلہ اٹھائیں گے۔اس طرح کی پیش رفت کے پارٹی پر اثرات مرتب ہوں گے جو ناگزیر طور پر طبقاتی بنیادوں پر ٹوٹ جائے گی۔

تاہم اس بات کی کوئی شہادت موجود نہیں کہ بیوروکریسی کی بالا پرتوں میں کسی ایسے دھڑے کا وجود ہے جو سابقہ دور کی ریاستی ملکیت والی مرکزیت پر مبنی منصوبہ بند معیشت کی طرف لوٹ جانا چاہتا ہو۔ بیوروکریسی کے نقطہ نظر کے مطابق نظام ''کام کر رہا'' ہے۔اور درحقیقت یہ بہت اچھا کام کر رہا ہے! ہم نے پہلے ہی اشارہ کیا ہے کہ ٹراٹسکی نے بیوروکریٹوں کی مراعات اپنی نسلوں کو منتقل کرنے کے بارے میں کیا کہا تھا۔آج بیوروکریٹوں کے بہت سے بیٹے اور بیٹیاں ذرائع پیداوار کے مالک بن چکے ہیں۔اس پرت کے اندر قومی منصوبہ بند معیشت کی طرف لوٹنے کی کوئی خواہش نہیں ہے۔ایسی کسی خواہش کی ان کے پاس کوئی مادی بنیادیں نہیں ہیں۔ وہ پیچھے کی طرف لوٹنے کی کسی بھی کوشش کی مزاحمت کریں گے اور انہیں ریاست کی آشیر باد حاصل ہوگی۔ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ فوج کے اعلیٰ عہدیدار بھی جائداد کے مالک بن چکے ہیں۔اس لئے ''افراد کے مسلح جتھوں'' کے اندر افسروں کی پرت کے مادی

مفادات بھی ان نئے ملکیتی رشتوں سے وابستہ ہیں جواب قائم ہو چکے ہیں۔

چین دنیا کی چوتھی بڑی طاقت

تازہ ترین اعداد وشمار سے پتہ چلتا ہے کہ اب چین' امریکہ' جاپان اور جرمنی کے بعد چوتھی بڑی عالمی معاشی طاقت بن چکا ہے اور امریکہ اور جاپان کے بعد صنعتی اشیاء بنانے والا تیسرا بڑا ملک ہے۔ 2004ء میں دنیا میں استعمال ہونے والی کل کنکریٹ کا نصف چین میں استعمال ہوا۔ چین اب نہ صرف فوجی حوالے سے' جو یہ پہلے ہی تھا' بلکہ معاشی حوالے سے بھی ایک بڑی طاقت بنتا جا رہا ہے۔

شروع میں غیر ملکی سرمایہ داروں کا خیال تھا کہ وہ چین کو اپنی منڈی کھولنے پر مجبور کر دیں گے اور پھر وہاں اپنی اشیاء کے ڈھیر لگا دیں گے۔ تاہم چین میں ہونے والی پیش رفت سامراجیوں کی توقعات کے برعکس ہے۔ چین اب برآمدات کرنے والے بڑے ممالک میں شامل ہے۔ تجارتی اشیاء میں امریکہ کا چین کے ساتھ خسارہ 205 ارب امریکی ڈالر کی ریکارڈ حد تک پہنچ چکا ہے۔ ان کی شکایت ہے کہ چین ضرورت سے زیادہ برآمدات کر رہا ہے۔ وہ امریکہ' یورپ اور ساری دنیا میں برآمدات بھیج رہا ہے۔ وہ ہر وقت ایسے محصولات لاگو کرنے کی بات کرتے ہیں جن سے چین کی برآمدات کو محدود کیا جا سکے۔ لیکن چین کے مال پر روک لگانے کیلئے انہیں بہت زیادہ محصولات عائد کرنا پڑیں گے کیونکہ چین کی پیداواری صلاحیت کا معیار بہت اعلیٰ اور اس کی اشیاء انتہائی سستی ہیں۔

پیداواری قوتوں کی بے انتہا ترقی' معیشت میں دیوہیکل تبدیلی اور سرمایہ دارانہ تعلقات کے استحکام کے ساتھ یہ بات منطقی ہو جاتی ہے کہ چین ایک سامراجی ملک کا رویہ اختیار کرے گا۔ چین خام مال درآمد کر رہا ہے اور صنعتی اشیاء اور سرمایہ برآمد کر رہا ہے۔ تیل کی قیمتوں میں اضافے کا ایک سبب یہ ہے کہ چین کے اندر تیل

کی بے تحاشا مانگ ہے جواب تیل استعمال کرنے والا دنیا کا دوسرا بڑا ملک ہے اور وہ ایک پکا درآمد کنندہ ہے۔ یہ خام لوہا' سیسہ' باکسائیٹ' ٹمبر' زنک' میگانیز' ٹن اور سویا بین بھی بڑی تعداد میں درآمد کر رہا ہے۔

لاطینی امریکہ اور کیریبین کی ریاستوں کے ساتھ چین کے تعلقات سے اس کا سامراجی کردار واضح ہو جاتا ہے۔ مثلاً 1999ء میں چین نے لاطینی امریکہ اور کیریبین کو 5 ارب ڈالر کا سامان برآمد کیا اور اس کی درآمدات 3 ارب ڈالر کی تھیں۔ لاطینی امریکہ سے چین کو عمومی طور پر غذائی اجناس اور خام مال برآمد کیا جاتا ہے جبکہ چین لاطینی امریکہ کو ٹیکسٹائل' ملبوسات' جوتے' مشینری' ٹی وی اور پلاسٹک کی اشیاء برآمد کرتا ہے۔ 2004ء میں چین نے لاطینی امریکہ میں 6.32 ارب ڈالر کی سرمایہ کاری کی۔ چین کی کل غیر ملکی سرمایہ کاری کا تقریباً نصف لاطینی امریکہ اور کیریبین میں ہے۔ محض وینزویلا کے اندر وہ تیل کی صنعت میں 350 ملین ڈالر کی سرمایہ کاری کا منصوبہ بنا رہے ہیں۔ چین نے برازیل کے ساتھ ایک ''سٹریٹجک اتحاد'' بھی بنا رکھا ہے جہاں پہلے ہی ایسی فیکٹریاں ہیں جن کی ملکیت چین کے پاس ہے۔ برازیل کی 15% برآمدات چین کو جاتی ہیں' اور ان میں اضافہ ہو رہا ہے۔ ایشیا میں تیل کے ذخائر کیلئے چین اور بھارت میں مقابلہ بازی جاری ہے۔ عالمی سطح پر بھی چین بڑے مقابلہ بازوں میں سے ایک ہے۔ 2004ء میں عالمی تجارت میں 5% کا اضافہ ہوا۔ اس اضافے میں چین کا حصہ 60% تھا۔ عالمی تجارت میں تقریباً دو تہائی اضافہ چین کی وجہ سے ہے۔

اس صورتحال کے پیش نظر ہمیں نظر آتا ہے کہ چین نے ہیٹی میں اقوام متحدہ کی فوج میں خدمات سرانجام دینے کیلئے اپنے دستے بھیجے ہیں۔ وہ بھاری بھرکم بحری فوج تیار کر رہا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ مستقبل میں اسے بحرالکاہل اور دیگر جگہوں پر سمندری پٹیوں پر کنٹرول برقرار رکھنے کی ضرورت ہوگی۔ اس سے امریکہ کے ساتھ

ان کا تصادم کھل کر سامنے آ جائے گا۔ امریکی کانگریس کے ارکان پہلے ہی لاطینی امریکہ میں چین کی بڑھتی ہوئی مداخلت پر پریشان ہیں اور وہ ''مونرو کے نظریے'' (Monroe Doctrine) کا حوالہ دے رہے ہیں جس میں یہ اصول وضع کیا گیا تھا کہ لاطینی امریکہ میں امریکہ کی نسبت کسی دوسری طاقت کا اثر زیادہ نہیں ہونا چاہیے۔

محنت کش طبقے کو طاقتور بنانے کا عمل

چین میں معیشت کی دیوہیکل بڑھوتری کا ایک اور پہلو بھی ہے۔ پیداواری قوتوں کی بے انتہا ترقی کے ساتھ ساتھ مزدور طبقہ بھی بہت زیادہ طاقتور ہوتا جا رہا ہے۔ ہر سال 2 کروڑ افراد ہجرت کر کے شہروں کی طرف جا رہے ہیں۔ شہری علاقوں میں بہت بڑی ترقی سے چین میں بہت تیز رفتار تبدیلی رونما ہوئی ہے کیونکہ دیہات کے غریب کسان غربت سے فرار حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس وقت آبادی کا 40% شہروں میں رہتا ہے۔ چین کے 166 شہر ایسے ہیں جن کی آبادی 10 لاکھ سے زائد ہے۔ اگلے 15 سالوں کے دوران توقع ہے کہ 30 کروڑ افراد شہروں میں منتقل ہو جائیں گے۔ چین میں تعمیرات کی صنعت میں ابھار ہے۔ محض تعمیرات کی صنعت سے 3 کروڑ 80 لاکھ افراد وابستہ ہیں۔ 80 سے زائد شہروں میں وہ زیر زمین ٹرانسپورٹ کے نظام تعمیر کر رہے ہیں۔ اس سے معیشت پر یہ اثر پڑا ہے کہ لوہے، کنکریٹ وغیرہ کی مانگ میں اضافہ ہو گیا ہے۔ اس سے چین کے سماج میں پرولتاریہ کی تعداد میں ایسا اضافہ ہو رہا ہے جو پہلے کبھی دیکھنے کو نہیں ملا۔

ایک اندازے کے مطابق آئندہ 15 برسوں میں شہری آبادی 80 کروڑ تک پہنچ جائے گی۔ تاریخی طور پر یہ پرولتاریہ کا سب سے بڑا ارتکاز ہے۔ یہ ایک بے مثال مظہر ہوگا۔ یہ تاریخ میں اپنی طرز کی سب سے بڑی تحریک ہوگی۔ اور اس سے

تاریخ کا سب سے بڑا پرولتاری طبقہ وجود میں آئے گا۔ یہ دنیا کا طاقتور ترین پرولتاری طبقہ ہوگا۔

شہروں کی طرف ہجرت کرنے والے کسان دیہات میں کسمپرسی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ اجتماعی زرعی فارم برباد ہوگئے ہیں۔ یہاں صحت' پنشن وغیرہ جیسی مراعات کا ایک پورا سلسلہ موجود تھا۔ چین کی دیہی آبادی کے دو تہائی حصے کیلئے پنشن کی کوئی سکیم نہیں ہے۔ اس لئے وہ شہروں میں ملازمت کے متلاشی ہیں۔

ہم اس مظہر کو پہلے بھی دیکھ چکے ہیں جب لاطینی امریکہ' افریقہ اور ایشیا سے لوگ ہجرت کر کے امریکہ اور یورپ گئے۔ وہ بدترین ملازمتیں کرنے پر تیار ہیں اور انتہائی خراب حالات میں زندگی بسر کر رہے ہیں لیکن کم از کم ان کی کچھ نہ کچھ آمدن ہے جو وہ واپس اپنے گھروں کو بھیجتے ہیں۔ ان کے نزدیک یہ غربت سے فرار حاصل کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ اس کے باوجود وہ بمشکل گزر بسر کر رہے ہیں۔ وہ جو بے انتہا دولت پیدا کر رہے ہیں اس کا ثمر انہیں بہت کم ملتا ہے۔ مستقبل میں اس صورتحال کے اندر انقلابی تحریکوں کا امکان پوشیدہ ہے۔

اس تمام تر عمل کا ترقی پسندانہ پہلو یہ ہے کہ اس سے کروڑوں کی تعداد میں سرمایہ داری کے ''گورکن'' یعنی پرولتاریہ پیدا ہو رہے ہیں۔ اس حوالے سے ہم صنعتی ترقی کی حمایت کرتے ہیں۔ اس سے ایک ایسا طبقہ جنم لے رہا ہے' اگرچہ بہت بھاری قیمت چکا کر' جو سماج کی تبدیلی کا فریضہ سرانجام دے گا۔ شہروں میں محنت کش طبقے کے بہت بڑے بڑے علاقے وجود میں آ رہے ہیں جہاں بے انتہا تضادات کا ارتکاز ہو رہا ہے۔

اگرچہ چین میں سرمایہ داری بہت تیزی سے ترقی کر رہی ہے پھر بھی منصوبہ بند معیشت کا قلع قمع ایک رجعتی قدم تھا۔ اگر مزدوروں کی حقیقی جمہوریت پر مبنی ایک حکومت ہوتی تو باآسانی نہ صرف موجودہ معاشی ترقی کے مقابلے میں ترقی کی جا سکتی

ہے بلکہ اس سے آگے نکلا جا سکتا تھا اور گروتھ ریٹ کے موجودہ عدم توازن اور بے ہنگم پن اور سماجی پولرائزیشن سے نجات حاصل کی جا سکتی تھی۔

اس وقت مختلف طبقوں، شہروں اور دیہاتوں، سرمایہ داری کے مخصوص زونوں اور ریاستی ملکیت میں چلنے والے صنعتی زونوں کے درمیان بے انتہا پولرائزیشن ہے۔ سماجی تفریق کا کوئی انت نہیں۔ شہروں کے 10% امیر ترین لوگوں کے پاس دولت کا 45% ہے جب کہ 10% غریب ترین لوگوں کے پاس صرف 1.4% ہے۔ ایک طرف ایک نیا بورژوا طبقہ پیدا کیا جا رہا ہے جبکہ بیروزگاروں کی تعداد 20 کروڑ تک پہنچ چکی ہے۔

چین کے اندر مختلف علاقوں پر غیر مساوی ترقی کے بھی اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔ ان میں کچھ علاقے اس ترقی سے فیض یاب نہیں ہو رہے جو ساحلی اور مشرقی علاقوں میں ہو رہی ہے۔ اس غیر مساوی ترقی کے پیش نظر چین میں قومی سوال کے پھٹ پڑنے کا خدشہ موجود ہے۔ چین میں 10 کروڑ افراد کا تعلق اقلیتی قومیتوں سے ہے۔ (ان میں تبتی، ترکمانی، منگول، یوغرز شامل ہیں) اور پولیس کے ساتھ مسلسل جھڑپیں ہوتی رہتی ہیں۔ اس طرح کی پولرائزیشن میں قومی سوال تیزی کے ساتھ دوبارہ ابھر کر سامنے آ سکتا ہے۔

یہ درست ہے کہ معاشی ترقی سے کچھ لوگوں کا معیار زندگی بہتر ہوا ہے لیکن اس مساوات کا ایک دوسرا پہلو بھی ہے۔ معاشی ترقی استحکام کی ضمانت فراہم کرنے کی بجائے مزدوروں میں زیادہ جنگجو آنہ جذبات اور سماجی اضطراب کو جنم دے رہی ہے۔ اس کا بڑا سبب زندگی اور کام کے حالات اور وہ طریقہ کار ہے جس کے ذریعے دولت تقسیم ہو رہی ہے۔ عوام کو ان بیوروکریٹوں سے نفرت ہے جو ان کی تمام تر حاصلات کو برباد کر رہے ہیں۔

چین میں مزدوروں کے حالات زندگی وہی ہیں جو برطانیہ کے مزدوروں کے

تھے جیسا کہ اینگلز نے انہیں انیسویں صدی میں بیان کیا تھا۔ پوری دنیا میں کان کنی میں ہونے والی کل اموات کی 80% چین میں ہوتی ہیں۔ پھر بھی دنیا کے کل کوئلے کا 30% چین میں پیدا ہوتا ہے۔ 1991ء میں کام کی جگہوں پر حادثات کی وجہ سے 80 ہزار مزدور ہلاک ہوئے۔ 2003ء میں یہ تعداد تیز رفتار اضافے کے ساتھ 4 لاکھ 40 ہزار ہوگئی۔ محنت کش طبقے پر دباؤ ناقابل یقین حد تک بڑھ گیا ہے۔ یہ کوئی خوش وخرم مستحکم سماج نہیں جو ایک پرآسائش مستقبل کی طرف بڑھ رہا ہو۔ 20 سے 35 سال کی عمر کے لوگوں میں اموات کا سب سے بڑا سبب خودکشی ہے۔ ہر سال 20 لاکھ 50 ہزار افراد خودکشی کرتے ہیں۔ اور ان سے ہٹ کر 25 لاکھ سے 35 لاکھ تک دیگر افراد خودکشی کی کوشش کرتے ہیں۔ کروڑوں لوگ روزگار سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔ بڑے بڑے مظاہرے ہو رہے ہیں لیکن سرمایہ داری کی طرف سفر بے رحمی سے جاری ہے۔

ہم نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ چین میں جو کچھ ہو رہا ہے اس کی روس کے اندر سرمایہ داری کی ابتدائی ترقی کے ساتھ گہری مماثلت ہے جو 100 سے زائد سال پہلے وہاں ہوئی تھی۔ پرانے زرعی کمیونوں کی ٹوٹ پھوٹ کے بعد 19ویں صدی کے آخر میں صنعت نے جو ترقی کی اس سے ان کے ساتھ مشتمل ایک تازہ دم پرولتاریہ وجود میں آیا جو دیہات چھوڑ کر آئے تھے۔ پرولتاریہ کے وجود میں آنے اور اس عمل کے نتیجے میں جو خوفناک حالات پیدا ہوئے ان کے سبب پہلے 1905ء کا انقلاب اور پھر اکتوبر انقلاب ہوا۔ اس وقت چین میں طبقاتی کشمکش کے حالات پیدا ہو رہے ہیں اور اس کا نتیجہ بھی ویسا ہی یعنی ایک انقلابی اٹھان کی صورت میں برآمد ہو گا۔

پہلے ہی بہت سخت ہڑتالیں جاری ہیں۔ 2000ء میں ہر طرح کے لیبر تنازعات میں 12.5%، 2001ء میں 14.4% اضافہ ہوا اور یہ 155,000

تک پہنچ گئے ۔ 1999ء میں 7000 ''متحدہ اقدامات'' (جیسا کہ وہ انہیں کہتے ہیں) ہوئے جو عمومی طور پر ہڑتالیں یا کام آہستہ کر دینے کے اقدامات تھے جن میں ایک وقت میں کم از کم 3 آدمی حصہ لیتے رہے اور بحیثیت مجموعی ان میں 250000 افراد نے حصہ لیا۔ یہ 1992ء سے لے کر اب تک 900% کا اضافہ ہے جو ہر سال 20% کے حساب سے اضافہ بنتا ہے۔ اگر چہ سرکاری اعداد و شمار اب بھی کافی کم ہیں لیکن یہ تحریکیں آنے والے واقعات کی نشاندہی کر رہی ہیں۔ اس سے اس امر کی نشاندہی ہوتی ہے کہ معاشی ترقی میکانکی انداز میں سماجی استحکام میں نہیں بدلتی۔ دراصل صورتحال اس کے بالکل برعکس ہوتی ہے۔

آج کل چین کی معیشت سرمایہ دارانہ قوانین کے تحت چل رہی ہے۔ وہاں بہت بڑی سرمایہ کاری ہوئی جس کی بنیاد اس تناظر پر ہے کہ عالمی منڈی مسلسل بڑھتی ہی چلی جائے گی۔ لیکن اس کو ہمیشہ اسی طرح برقرار رکھنا ناممکن ہے۔ اور اس لئے ایک مخصوص موڑ پر چین کو بھی بحران کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس ضمن میں ہم وقت کا تعین نہیں کر سکتے کہ ٹھیک کس وقت ایسا ہوگا۔ لیکن ایسا ہوگا تو یہ ایک گہرا بحران پیدا ہوگا اور اس کے عالمی سطح پر اثرات مرتب ہوں گے۔

چین کا محنت کش طبقہ ایک نیا اور تازہ دم طبقہ ہے ماضی میں اور اب بھی ریاستی ملکیت میں چلنے والی صنعتوں میں کام کرنے والے مزدوروں کی بہت بڑی تعداد تھی اور ہے۔ بیوروکریسی کی موجودگی میں بھی اس پرت نے کچھ مراعات حاصل کی ہیں۔ اب وہ ان سے چھینی جا رہی ہیں۔ مزدوروں اور ان کی کمپنیوں کے درمیان تعلقات زیادہ تر ویسے ہی ہیں جیسا کہ مغرب میں ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ کسی مخصوص لمحے طبقاتی جدوجہد کا ایک دھماکہ ہوگا۔

کمیونسٹ پارٹی کا قیام

اس وقت کمیونسٹ پارٹی کو صورتحال پر غلبہ اور کنٹرول حاصل ہے۔ لیکن کمیونسٹ

پارٹی کے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟ کمیونسٹ پارٹی کے ارکان کی تعداد 6 کروڑ سے 7 کروڑ کے درمیان ہے۔ یہ کل آبادی کا تقریباً 5% بنتا ہے۔ ماضی میں یہ پارٹی ریاستی بیوروکریسی کا آلہ کار تھی لیکن حال ہی میں چین کے سرمایہ داروں کو بھی اس کا ممبر بننے کی اجازت دے دی گئی ہے۔اس وقت چین کے 30% سرمایہ دار کمیونسٹ پارٹی کے ممبر ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ پارٹی کے اندر رہ کر وہ اپنے مفادات کا دفاع کر سکتے ہیں۔ مطلق حوالے سے سرمایہ دار اب بھی ایک چھوٹی سی اقلیت ہیں لیکن یہ بات خاص اہم ہے کہ اتنی بڑی تعداد میں سرمایہ داروں کو پارٹی کے اندر آنے کی اجازت دی گئی ہے۔

چند سال پہلے مرکزی کمیٹی کے تقریباً نصف ممبران کو تبدیل کیا گیا۔ یہ بات ظاہر ہے کہ چند ایک بیوروکریٹوں کو جن کو سرمایہ داری کی طرف جانے کی راہ میں رکاوٹ خیال کیا جاتا تھا پارٹی سے نکال دیا گیا۔ یوں سرمایہ دار کمیونسٹ پارٹی کو اپنے مفادات کا دفاع کرنے کیلئے ایک آلے کے طور پر استعمال کر رہے ہیں۔ پارٹی کی زیریں پرتوں میں ناگزیر طور پر ایسے کئی ایک لوگ موجود ہوں گے جو ''کمیونزم'' پر یقین رکھتے ہیں یا اس پر یقین رکھتے ہوں گے جسے وہ کمیونزم سمجھتے ہیں اور ان میں سے کچھ مارکس کے نظریات سے بھی آگہی رکھتے ہوں گے۔ لیکن اعلیٰ قیادت جس کے ہاتھ میں اقتدار ہے وہ سارے عمل کو سرمایہ داری کی طرف لے جا رہی ہے۔

کمیونسٹ پارٹی کا مستقبل کیا ہے؟ جب تک معیشت میں موجودہ شرح سے ترقی جاری رہتی ہے اس وقت تک کمیونسٹ پارٹی کی قیادت صورتحال کو قابو میں رکھنے اور کسی حد تک سماج اور پارٹی کے اندر استحکام برقرار رکھنے میں کامیاب رہے گی۔ لیکن جب اسے کسی بڑے سنجیدہ طوفان، کسی بڑے معاشی بحران، کسی بڑے طبقاتی تصادم، قومی تصادم یا کسی بھی طرح کے سماجی تصادم کا سامنا کرنا پڑا تو مختلف دھڑے ٹوٹ کر بکھر جائیں گے۔ ہمیں یہ بات ذہن میں رکھنے کی ضرورت ہے کہ چین کی

کمیونسٹ پارٹی' دوسری پارٹیوں کی طرح ایک پارٹی نہیں اور اس کا مغربی کمیونسٹ پارٹیوں کے ساتھ مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔ 1949ء میں اقتدار حاصل کرنے کے بعد سے کمیونسٹ پارٹی ہمیشہ ریاستی ڈھانچے کا حصہ رہی ہے۔

تاہم واقعات کی وجہ سے ریاست پر اس کی گرفت ٹوٹ سکتی ہے۔ روس کی بیوروکریسی کے ضمن میں یہ کام ایک اضطراری طریقے سے ہوا۔ سابقہ دیوہیکل سٹالنسٹ پارٹی کئی ایک پارٹیوں میں بٹ گئی تھی جو مختلف گروپوں کے مفادات کی نمائندگی کر رہے تھے۔ اس میں کئی ایک کمیونسٹ پارٹیاں بھی برآمد ہوئیں جن میں سے کچھ حقیقی معنوں میں مزدوروں کی پارٹیاں تھیں۔ لیکن چین میں یہ عمل مستقبل میں ہو گا۔ اس وقت معاملات پر چین کی بیوروکریسی کو کنٹرول حاصل ہے۔ اور پارٹی کو سرمایہ داری کی ترویج کیلئے استعمال کیا جا رہا ہے۔

ایک بات یقینی ہے کہ یہ عمل اتنا آسان نہیں ہو گا۔ جیسے جیسے نوخیز سرمایہ دارانہ معیشت نئے تضادات کو جنم دے گی اس سے پارٹی کی بالائی سطح پر ٹوٹ پھوٹ شروع ہو گی۔ دراصل اس طرح کی تقسیم پہلے ہی موجود ہے جیسا کہ ملکیتی حقوق کے قوانین میں مزید تبدیلیوں کے حوالے سے موجودہ تصادم سے پتہ چلتا ہے۔ کمیونسٹ پارٹی کے اندر موجود اس تقسیم کی ہم کیا وضاحت کر سکتے ہیں؟ ہمیں تمام تر عمل کو بحیثیت مجموعی دیکھنا پڑے گا اور جائزہ لینا پڑے گا کہ یہ کہاں جا رہا ہے۔ یہ اس نقطے پر جا پہنچا ہے جہاں سرمایہ دارانہ تعلقات استوار کیے جا چکے ہیں۔ اجرتی محنت اور سرمائے کے درمیان تفریق' منڈی کی مقابلہ بازی' منافع کی قوت محرکہ اور اس طرح کی دیگر چیزیں موجود ہیں۔ اب بھی پرانے نظام کی مضبوط باقیات موجود ہیں لیکن یا تو ان کی نجکاری کی تیاری ہو رہی ہے یا پھر وہ ریاستی سرمایہ دارانہ کمپنیوں کی حیثیت سے کام کر رہی ہیں۔ ہمیں اس ریاستی شعبے کو مدنظر رکھنا چاہیے لیکن ہمیں یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ معیشت کا سب سے متحرک حصہ نجی شعبہ ہے اور سرمایہ دارانہ بحالی کی تحریک کو مستحکم کیا

جا چکا ہے۔

یہ بات ناگزیر ہے کہ اتنے بڑے ملک کی بیوروکریسی کے اندر باہم متصادم رجحانات مخالف دھڑے ہوں جن کے خیالات اور مفادات ایک دوسرے سے مختلف ہوں۔ ایک دھڑا ایسا ہے جو تمام تر عمل کے اوپر نظر رکھے ہوئے ہے اور اس عدم استحکام کی وجہ سے متفکر ہے جو اس کی وجہ سے پیدا ہو رہا ہے۔ وزیراعظم اور صدر کو بھی یہ تفکرات لاحق ہیں کیونکہ انہیں وہ خطرات نظر آ رہے ہیں جو مسلسل عدم توازن اور دھڑے بندیوں کی وجہ سے پیدا ہو سکتے ہیں۔ یہ دھڑا چاہتا ہے کہ عوام کو لگنے والی چوٹوں کی شدت کم کرنے کیلئے اصلاحات کی جائیں۔ چونکہ انہیں نیچے سے انقلاب کا خطرہ ہے اس لئے وہ مطالبہ کر رہے ہیں کہ کم ترقی یافتہ علاقوں میں کچھ سرمایہ کاری کی جائے اور سماجی شعبے میں زیادہ اخراجات کیے جائیں۔

ان کا سرمایہ داری سے کوئی حقیقی اختلاف نہیں ہے اور وہ سرمایہ داری کی ترقی اور استحکام کو روکنے کیلئے کوئی سرگرم مداخلت نہیں کریں گے لیکن انہیں یہ فکر لاحق ہے کہ عدم مساوات اور بڑھتے ہوئے سماجی اضطراب کی وجہ سے کسی لمحے پرولتاریہ کی انقلابی تحریک بھڑک سکتی ہے۔ بلاشبہ وہ درست ہیں۔ مسئلہ یہ ہے کہ پرانے سٹالنسٹ ڈھانچے کو برقرار رکھنے کا نتیجہ بھی کسی لمحے عوام کی تحریک کی صورت میں برآمد ہو سکتا ہے اور بالآخر سارا نظام منہدم ہو سکتا ہے۔ اس لئے بیوروکریسی کا یہ دھڑا اس عمل کو پیچھے کی طرف نہیں لے جائے گا بلکہ وہ عوام کا کرب کم کرنے کیلئے چند سماجی اصلاحات متعارف کروائیں گے۔

چین کے مشرقی علاقوں کی بیوروکریسی جس کی نئے سرمایہ دار طبقے کے ساتھ انتہائی گہری جڑت ہے سمجھتی ہے کہ یہ عمل انتہائی کلیدی ذرائع کو صنعتی ترقی سے نکالنے کے مترادف ہے۔ اس عمل کو آہستہ کرنے کے بجائے وہ اس حق میں ہیں کہ اس عمل کو تیز کیا جائے اور ہمیشہ ہمیشہ کیلئے پرانے نظام کی باقیات کو ختم کر دیا جائے۔ اس لئے

موجودہ تصادم سرمایہ داری کے حامیوں اور ''واپس لوٹنے'' والوں کے درمیان نہیں۔ یہ تصادم اس بات پر ہے کہ بحیثیت مجموعی نظام کو استحکام کیسے فراہم کیا جا سکتا ہے۔ المیہ یہ ہے کہ بالآخر اس عمل کے نتیجے میں کمیونسٹ پارٹی ٹکڑے ٹکڑے ہو سکتی ہے اور اس کے نتیجے میں زیادہ عدم استحکام جنم لے گا۔

یوں اس وقت بیوروکریسی کے اندر تضادات ہیں ان کی عکاسی ملکیتی رشتوں کے حوالے سے قانونی اصلاحات کے اگلے مرحلے پر تصادم سے ہوتی ہے۔ کچھ حلقوں کے دباؤ کے پیش نظر اس عمل کو آہستہ کر دیا گیا ہے۔ اس سے یہ حقیقت ابھر کر سامنے آئی ہے کہ یہ عمل سیدھی لکیر میں چلنے والا نہیں ہے۔ ہم پہلے ہی دیکھ چکے ہیں کہ ایک سے زیادہ مرتبہ ایسے ادوار آئے ہیں جب بیوروکریسی کو اس عمل کو آہستہ کرنا پڑا لیکن کسی بھی موقع پر انہوں نے منڈی کی ''اصلاحات'' کو ختم نہیں کیا۔

اس عارضی اور غیر مستحکم توازن کو صرف اسی صورت میں برقرار رکھا جا سکتا ہے اگر جی ڈی پی کے گروتھ ریٹ کی موجودہ 9% کی شرح برقرار رہے۔ ریاستی صنعتوں میں ہر سال لاکھوں لوگ بے روزگار ہو رہے ہیں لیکن نجی شعبے میں روزگار کے لاکھوں نئے مواقع پیدا ہو رہے ہیں۔ اسی وجہ سے شہروں کی طرف ہجرت کر کے آنے والے دیہی مزدور بڑی حد تک ان صنعتوں میں ضم ہو جاتے ہیں۔ اگرچہ ملازمتوں کے جو نئے مواقع پیدا کیے جا رہے ہیں وہاں اجرت بہت کم ہے لیکن وہ دیہی علاقوں میں ملنے والی اجرت سے کہیں زیادہ ہے۔ اس وجہ سے اپنے علاقے چھوڑ کر آنے والے مزدور کچھ آمدن حاصل کر پاتے ہیں' گھروں کو پیسے وغیرہ بھیجتے ہیں اگرچہ وہ انتہائی خوفناک حالات میں کام کرتے ہیں۔

جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں کہ چین کی معیشت کا بھاری بھرکم حصہ سرمایہ دارانہ بنیادوں پر چل رہا ہے۔ جی ڈی پی کا محض ایک تہائی حصہ اب ریاستی شعبے میں پیدا ہوتا ہے۔ جو کچھ باقی بچا ہے اس کی نجکاری کا کوئی طریقہ تو نکل سکتا ہے لیکن اب ریاستی

شعبے کو قطعاً غلبہ حاصل نہیں رہا۔ جیسے ہی وہ باقی ماندہ ریاستی شعبے کی ری سٹرکچرنگ اور نجکاری کے عمل کو آگے بڑھائیں گے مزید لاکھوں ملازمتیں ختم ہو جائیں گی۔ اس طرح کی صورتحال میں مستقل گروتھ انتہائی ضروری ہے۔

اگر مزید 15 یا 20 سال تک ان کا سالانہ گروتھ ریٹ 7 سے 10% رہے تو وہ نسبتاً آسانی کے ساتھ شہری آبادکاری اور صنعت کاری کی اس سطح کو حاصل کر لیں گے۔ لیکن اس کا انحصار عالمی منڈی پر ہے۔ چین اپنے جی ڈی پی کا 50% برآمد کرتا ہے۔ یہاں لیبر کی اجرت انتہائی سستی اور ذرائع پیداوار انتہائی جدید ہیں یعنی یہاں پیداواری صلاحیت کی سطح بہت بلند ہے۔ لیکن چین پر دباؤ بڑھ رہا ہے۔ معیشت کے بعض شعبوں میں سست روی کے آثار نظر آ رہے ہیں۔ یوروزون کی معیشتیں یا تو جمود کا شکار ہیں یا سست روی کا۔ عالمی سطح پر زائد پیداوار کا آغاز ہو چکا ہے جس کا ایک سبب چین کا گروتھ ریٹ بھی ہے۔ اس لیے عالمی منڈی میں آنے والا کوئی بھی خاطر خواہ زوال چین کی معیشت پر گہرے اثرات مرتب کرے گا جیسا کہ ماضی میں جنوبی کوریا میں ہوا تھا۔ چین کو پہلے ہی سٹیل، خام لوہے اور کوئلے کے علاوہ اشیائے صرف میں زائد پیداوار کے خطرے کا سامنا ہے۔ ایسے آثار ہیں کہ مستقبل میں وہاں زائد پیداوار کا بحران پیدا ہوگا۔

امریکہ کی طرف سے بھی چین پر دباؤ ہے کہ یا تو وہ اپنی کرنسی کا ازسرنو تعین کرے یا پھر اپنی برآمدات پر بھاری محصولات کا سامنا کرے۔ اس وقت امریکی کانگریس میں ایک بل زیر بحث ہے جس کے ذریعے چین کی درآمدات پر 27.5% محصول عائد کیا جائے گا! 2008ء تک چین اپنی کرنسی کو تغیر پذیر (Floating) بنانے کا منصوبہ بھی رکھتا ہے۔ لیکن چین ہیٹی، نائیجیریا بھی نہیں جہاں آئی ایم ایف آئے اور انہیں بتائے کہ کیا کرنا ہے۔ چین ایک بڑی طاقت ہے اس لیے اس مسئلے پر بڑے تصادم ہوں گے۔

2005ء میں چین سے امریکہ میں بہت زیادہ برآمدات کی گئیں۔ملٹی فائبر ایگریمنٹ کے آنے سے گزشتہ سال جنوری میں ٹیکسٹائل کے کوٹے کا خاتمہ ہوگیا۔ اب برآمدات پر کوئی کوٹہ نہیں ہے۔اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ گزشتہ سال کے پہلے چار ماہ میں چین کی ٹیکسٹائل کی برآمدات میں 70% اضافہ ہوا۔چین ٹیکسٹائل کی زیادہ سستی مصنوعات زیادہ بڑی مقدار میں پیدا کر رہا ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ یورپ میں یہ صنعت ختم ہو جائے گی۔اس وقت غیر ملکی سرمایہ کاری کے حوالے سے چین سرفہرست ہے۔2004ء میں چین میں 54 کھرب ڈالر کی غیر ملکی سرمایہ کاری ہوئی۔اس سے واضح اشارہ ملتا ہے کہ بین الاقوامی سرمایہ دار طبقہ موجودہ سرمایہ دارانہ رشتوں پر اعتماد کر رہا ہے۔

چین اور امریکہ

آنے والے سالوں کا تناظر کیا ہے؟ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ 1997ء کے طرز کے زوال کی تیاری ہو رہی ہے اور معیشت کی حیثیت ایک بے لگام گھوڑے کی ہے۔زائد پیداوار کا بحران منڈلا رہا ہے جس سے نظام کے اندر ایک بنیادی تبدیلی کا اظہار ہو رہا ہے۔زائد پیداوار سرمایہ دارنہ معیشت کا خاصا ہے نہ کہ منصوبہ بند معیشت کا۔اگر چین میں معیشت سست روی کا شکار ہوتی ہے تو اس کے امریکہ اور ایشیا پر گہرے اثرات مرتب ہوں گے۔پانچ سالوں میں ملائیشیا سے چین کو ہونے والی برآمدات ایک ارب ڈالر سے بڑھ کر 7 ارب ڈالر ہوگئی ہیں۔جاپان کے بھی چین سے گہرے مفادات وابستہ ہیں-- 16000 جاپانی کمپنیاں چین میں کام کر رہی ہیں۔

چونکہ چین کی صنعت مقابلہ بازی کی انتہائی زیادہ طاقت رکھتی ہے اس وجہ سے وہ امریکی سامراج سے متصادم ہو رہا ہے۔تاہم دونوں طاقتوں کے باہمی تعلقات

تضادات کا شکار ہیں۔ امریکہ کے ٹریژری (Treasury) بانڈز کے سب سے بڑے خریدار چین اور جاپان ہیں۔ اس لئے چین کا مفاد اس بات سے وابستہ ہے کہ امریکی معیشت میں تیزی رہے کیونکہ یہ اس کی برآمدات کی سب سے بڑی منڈی ہے۔ وہ امریکہ کو کسی بحران میں نہیں دیکھنا چاہتا۔ وہ اس بات کو ترجیح دیں گے کہ ان کے تعلقات انتہائی پرسکون ہوں لیکن اس بات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ عالمی منڈیوں پر ان کی لڑائی جاری ہے۔ امریکہ کو بہت بڑے تجارتی خسارے کا سامنا ہے جس کا ایک بڑا حصہ چین کے ساتھ ہے۔ اس سے خود امریکہ کے اندر تضادات بھڑک رہے ہیں۔ جن امریکی کمپنیوں نے چین میں سرمایہ کاری کر رکھی ہے وہ بہت بڑے بڑے منافعے کمار ہے ہیں۔ وہ چین میں انتہائی سستے داموں مال تیار کرتے ہیں اور اسے امریکہ میں عالمی منڈی کے ہاتھوں متعین کردہ قیمتوں پر فروخت کرتے ہیں۔ عملاً چین کے اندر ہر ایک ملٹی نیشنل موجود ہے۔ ایسے حالات میں امریکہ چین پر کیسے روک لگا سکتا ہے جب ان کی معیشت اور ان کی بڑی کمپنیوں کا انحصار چینی معیشت پر ہے؟ اس لیے متضاد سمتوں سے دباؤ بڑھ رہے ہیں اور مستقبل میں یہ تصادم بڑھتا ہی جائے گا۔

انقلاب کی تیاری کا عمل

سرمایہ داری کی ترویج کے ساتھ ساتھ طبقاتی تفریق میں بھی بے انتہا اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ اس سے چین کے اندر طبقاتی کشمکش کی بنیادیں استوار ہو رہی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ چین اس وقت دنیا کا سب سے زیادہ عدم مساوات والا ملک ہے۔ ہم شہروں میں پائی جانے والی عدم مساوات کا ذکر پہلے ہی کر چکے ہیں۔ مجموعی صورتحال یہ ہے کہ اوپر کے 20% لوگ کل قومی آمدنی کا 50% استعمال کرتے ہیں جبکہ نیچے کے 20% لوگوں کو محض 4.7% حصہ ملتا ہے۔ یہ اعداد و شمار اقوام متحدہ کی

رپورٹ سے لیے گئے ہیں جو ایک مضمون کی شکل میں ژن ہاؤ نیوز ایجنسی نے شائع کیا۔ اسی مضمون میں کہا گیا ہے کہ ''محنت اور سوشل سیکیورٹی کی وزارت کے انسٹی ٹیوٹ آف لیبر اینڈ ویج سٹڈی'' کی ایک رپورٹ میں اشارہ کیا گیا ہے کہ 2003ء سے چین میں آمدنی کا فرق بہت تیزی سے خراب ہوتا آیا ہے اور اب یہ 'نارنجی' (Orange) کی سطح پر پہنچ گیا ہے جو اس ادارے کے معیار کے مطابق دوسری سب سے خطرناک سطح ہے۔ اگر کوئی موثر اقدامات نہ اٹھائے گئے تو یہ مزید بگڑ کر 'سرخ' (Red) سطح پر پہنچ سکتا ہے جو سب سے خطرناک سطح ہے۔''

اقوام متحدہ کی اس رپورٹ کی بنیاد گنی (Gini) کے پیمانے پر رکھی گئی ہے جو کسی بھی ملک میں عدم مساوات ماپنے کا ایک شماریاتی آلہ ہے۔ صفر کا مطلب ہوتا ہے ''مکمل مساوات'' جبکہ ایک کا مطلب ہوتا ہے ''مکمل عدم مساوات''۔ چین میں یہ پیمانہ 0.45 تک پہنچ چکا ہے۔ بین الاقوامی سطح پر قابل قبول معیار کے مطابق جب کسی ملک میں گنی کا پیمانہ 0.40 تک پہنچ جائے تو صورتحال ناقابل برداشت ہو جاتی ہے۔ چین میں یہ پیمانہ نہ صرف 0.40 کی حد تک پہنچ چکا ہے بلکہ اس سے آگے جا چکا ہے اور اس میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔

جیسا کہ ژن ہاؤ ایجنسی کہتی ہے ''اگر یہ رجحان بلا روک ٹوک جاری رہا تو تمام لوگوں کیلئے مشترکہ ترقی کا مقصد حاصل کرنا ممکن ہی نہیں رہے گا اور بڑھتا ہوا فرق سماجی اضطراب کو بھڑکا سکتا ہے۔'' ہمیں چین کے جدید شہروں میں بڑی بڑی بلند و بالا عمارتیں امنڈتی ہوئی نظر آتی ہیں جن کے گرد شہروں میں پھیلی ہوئی غربت کے وسیع و عریض علاقے ہیں۔ صرف یہی بات چین میں طبقاتی جدوجہد کو بھڑکانے کیلئے کافی ہے۔

اس صورتحال میں مارکسیوں کے فریضے کیا ہیں؟ یقیناً پہلا فریضہ تو یہ ہے کہ اس بات کی وضاحت کی جائے کہ کیا ہو رہا ہے۔ اگر ہمیں چین کے مزدوروں، طلباء اور

کمیونسٹ پارٹی کے دیانت دار ممبران سے بات چیت کا آغاز کرنا ہے تو ہمیں اس بات کو یقینی بنانا چاہیے کہ ہمارا تجزیہ حقیقی ٹھوس صورتحال کے عین مطابق ہو۔ اس لئے ہمیں چاہیے کہ چینی معیشت' سماج اور سیاست کے ہر ایک پہلو کا تفصیلی مطالعہ کریں۔

یہ ایک سنجیدہ غلطی ہوگی کہ ایک پیچیدہ' متضاد اور ایک ایسے عمل کا پہلے سے تیار فارمولوں کی بنیاد پر جائزہ لیا جائے جس کی تاریخ میں کوئی مثال نہیں ملتی اور جن کا مزدوروں اور نوجوانوں کی زندگی سے کوئی تعلق نہ ہو۔ اس طرح کے طرز عمل کے ساتھ ہم کسی منزل کو نہیں پا سکتے۔

ہمیں چین کی روایات کو ذہن میں رکھنے کی ضرورت ہے۔ روسیوں کے پاس بالشویکوں' لینن اور ٹراٹسکی کی روایات ہیں۔ چین کے اندر اس روایت کا فقدان ہے۔ چین کی سب سے بڑی روایت ماؤازم ہے۔ تاہم یہ واحد روایت نہیں ہے۔ یہاں چن تو سیو (Chen Tu Hsiu)(1879-1942) کی روایت بھی ہے جو چین کی کمیونسٹ پارٹی کے بانیوں میں سے ایک ہے اور جو ایک خاص وقت میں ٹراٹسکی ازم کی طرف آگے بڑھا تھا۔

1917ء کے اکتوبر انقلاب کے چن پر زبردست اثرات مرتب ہوئے تھے جس سے وہ سمجھنے لگا تھا کہ جاگیرداری اور سرمایہ داری کے خاتمے ہی سے سماجی ترقی ممکن ہوسکتی ہے۔ وہ 1919ء کی سامراج دشمنی کی چار مئی کی تحریک کا لیڈر تھا۔ اگلے سال اس نے دیگر انقلابی قوتوں سے مل کر چین کی کمیونسٹ پارٹی کی بنیاد رکھی جس کی پہلی نیشنل کانفرنس جولائی 1921ء کو شنگھائی میں ہوئی تھی۔

وہ ایک المناک انجام سے دوچار ہوا تھا۔ 1926ء میں سٹالن کے مشورے پر عمل کرنے سے چین کا انقلاب شکست سے دوچار ہوا۔ تاہم کمیونسٹ انٹرنیشنل نے کسی طرح کی ذمہ داری قبول کرنے سے انکار کر دیا اور تمام تر الزامات چن (Chen) پر عائد کر دیے اور 1927ء میں اسے پارٹی کی قیادت سے ہٹا دیا گیا۔ اس نے یہ

مطالبہ کیا کہ کمیونسٹ انٹرنیشنل کی پالیسی کا سنجیدگی کے ساتھ از سرنو جائزہ لیا جائے جس کے نتیجے میں 1929ء میں اس پر حزب مخالف سے تعلق رکھنے کا الزام عائد کر کے پارٹی سے نکال دیا گیا۔ اس نے بعد میں ٹراٹسکی کی لیفٹ اپوزیشن میں شمولیت اختیار کر لی تھی۔

یہ ایک مثبت پہلو ہے کہ آج کل چین میں چن تو سیو کے نام پر سوسائیٹیاں بنائی گئی ہیں جن کا مقصد اس کی کتابوں کا مطالعہ کرنا ہے۔ حال ہی میں خاص کر طلباء کے اندر مارکسی بحثوں پر مبنی سرکلز قائم کیے گئے ہیں۔ کچھ پرتوں کے اندر مارکسزم کے حقیقی نظریات پھر سے تلاش کرنے کی پیاس موجود ہے۔ اس سے ایک حقیقی ترقی پسند معاشرے کی طرف بڑھنے کی خواہش کی عکاسی ہوتی ہے جو محض ایک سوشلسٹ سماج ہو سکتا ہے جس کی بنیاد مزدور جمہوریت پر رکھی جائے۔

ہمیں ان ترقی یافتہ پرتوں، مزدوروں اور نوجوانوں کو واضح طور پر بتانا چاہیے کہ ہمارے نزدیک چین میں کیا ہوا ہے۔ ہمیں منصوبہ بند معیشت کی برتری کی وضاحت کرنی چاہیے لیکن اس کے ساتھ ساتھ چینی بیوروکریسی کے بحران کا تجزیہ بھی کرنا چاہیے اور اس بات کا بھی کہ ایسا کیوں ہوا اور ماؤاسٹ نظام کیونکر بچ نہیں پایا ہے۔

اگرچہ اب بھی ریاستی شعبے میں چلنے والی معیشت اور ریاستی ڈھانچہ دونوں کے اعتبار سے پرانے نظام کی باقیات موجود ہیں لیکن چین کو جس بنیادی فریضے کا سامنا ہے وہ سماجی انقلاب ہے۔ معیشت کا بھاری بھرکم حصہ نجی شعبے کے پاس ہے۔ سرمایہ داری کی طرف بڑھنے کا عمل ایک ایسی حقیقت ہے جس سے فرار ممکن نہیں۔ ''چینی خصوصیات کا حامل سوشلزم'' کی تمام تر باتیں محض ایک فریب ہے جس پر کوئی یقین نہیں کرتا حتیٰ کہ چینی بیوروکریسی بھی!۔ اگرچہ متضاد رجحانات موجود ہیں لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ یہ عمل ایک ایسے نقطے تک پہنچ گیا ہے جہاں سے واپسی ممکن نہیں۔

ریاستی ڈھانچہ پہلے بھی ایک بے ہودہ آمرانہ بیوروکریٹک نظام پر مبنی تھا اور اب بھی ہے اور اسے سرمایہ داری اور سٹالنزم کے انتہائی حقارت آمیز پہلوؤں میں ضم کر دیا گیا ہے۔ بیرونی خول یا ہیئت ایک سٹالنسٹ ریاستی ڈھانچے کی ہے لیکن اصل میں یہ سرمایہ دارانہ ہے۔ اس صورتحال سے وہ تضادات جنم لے رہے ہیں جو کسی مخصوص لمحے پر ایک انقلابی تحریک کو جنم دے سکتے ہیں۔

چین اس وقت اپنے تئیں ایک عالمی قوت ہے۔ اس کا مقدر عالمی سطح پر رونما ہونے والے واقعات خاص کر عالمی معیشت سے جڑا ہوا ہے۔ اسی طرح چین کے اندر رونما ہونے والے واقعات کے معاشی اور سیاسی دونوں اعتبار سے اثرات پوری دنیا پر مرتب ہوں گے۔

خاص کر آنے والے دور میں چین کے محنت کش طبقے نے ایک کلیدی کردار ادا کرنا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ نپولین نے کہا تھا کہ ''جب چین جاگتا ہے تو ساری دنیا لرزتی ہے۔'' نپولین کی بات کو آسان لفظوں میں بیان کرتے ہوئے ہم یہ کہتے ہیں کہ آج کا سویا ہوا دیو چین کا پرولتاریہ ہے۔ جب وہ اٹھ کھڑا ہوگا تو دنیا کی کوئی طاقت اسے روک نہیں سکے گی اور اس سے تمام تر عالمی صورتحال بدل جائے گی۔